

جاء الحق وزهق الباطل

ماہنامہ

سرگودھا

ضربِ حق

شمارہ نمبر

17






شوال 1432ھ، بمطابق ستمبر 2011ء

- اللہ تعالیٰ عرش پر ہے
- حق مہر کی شرعی مقدار
- صحیح بخاری میں شیعہ راوی
- حافظ موسیٰ بن ہارون الحمال
- امام ابوحنیفہ کی فضلیت میں خواب!
- جلسہ استراحت مسنون ہے قسط 2

مدیر

سید محمد سبطین شاہ نقوی



جامعہ امام بخاری اہل حدیث مقام حیات سرگودھا

ابنِ جلال دین

اہل حق کون؟

مشہور مفسر اور فقیہ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابو بکر بن فرج ، شمس الدین قرطبی رحمہ اللہ (۶۰۰۔۶۷۱ھ) اپنی تفسیر قرآن میں فرماتے ہیں:

فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ﴾ ـــــ اس میں اہل حق کے اس قول کی دلیل ہے کہ جہنم پیدا کر دی گئی ہے اور اب موجود ہے۔ اس کے برعکس بدعتی لوگوں کا کہنا ہے کہ جہنم ابھی تک پیدا نہیں ہوئی۔ اسی بدعت میں قاضی منذر بن سعید بلوطی اندلسی مبتلا ہو گیا تھا۔ حالانکہ امام مسلم رحمہ اللہ نے سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں موجود تھے، اچانک ایک دھماکے کی آواز آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا: جانتے ہو کہ یہ کیا ہے؟ ہم نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول کو بہتر معلوم ہے۔ آپ نے فرمایا: یہ ایک پتھر تھا جو جہنم میں ستر سال پہلے پھینکا گیا تھا، وہ اس میں مسلسل گرتا رہا اور ابھی اس کے پیندے تک پہنچا ہے۔ اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہنم اور جنت کی آپس میں تکرار ہوئی۔ جہنم نے کہا: مجھ میں ظالم اور متکبر لوگ داخل ہوں گے۔ جنت نے جواباً کہا: مجھ میں کمزور اور مساکین لوگ داخل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جہنم سے فرمایا: تُو میرا عذاب ہے، میں جسے چاہوں گا تیرے ذریعے سزا دوں گا اور جنت سے فرمایا: تُو میری رحمت ہے، میں جس پر چاہوں گا تیرے ذریعے رحم کروں گا۔ تم دونوں کو بھرنا میری ذمہ داری ہے ـــ نیز نماز کسوف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جہنم اور جنت دکھائی گئی تھی، علاوہ ازیں اپنی معراج کے موقع پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو دیکھا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنت میں داخل بھی ہوئے تھے۔ لہٰذا اس کی مخالفت کی کوئی معقول وجہ نہیں ہو سکتی۔"

(تفسیر القرطبی، البقرۃ: ٢٤)



بسم اللہ الرحمن الرحیم

جاء الحق وزھق الباطل

ماہنامہ

ضربِ حق

سرگودھا

جلد نمبر ۱ | شوال ۱۴۳۲ھ بمطابق ستمبر ۲۰۱۱ء | شمارہ نمبر ۱۰

سید محمد سبطین شاہ نقوی

0300-9600128

قیمت | فی شمارہ 20 روپے | سالانہ: 300 روپے علاوہ محصول ڈاک | پاکستان مع محصول ڈاک

اس شمارے میں

جامعہ امام بخاری اہل حدیث
مقام حیات سرگودھا

0301-6751462
048-3715130



اللہ تعالیٰ عرش پر ہے!

اہلِ حق، اہلِ سنت کا یہ اجماعی و اتفاقی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات عرش پر ہے۔ اس کے برعکس ملحدین اور جہمیوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے۔

قرآن و حدیث، اجماعِ امت اور فطرتِ سلیمہ سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بلند ہے جیسا کہ شیخ الاسلام، امام الشام، امام اوزاعی رحمہ اللہ (م ۱۵۷ھ) فرماتے ہیں:

كنّا والتابعون متوافرون نقول : إنّ الله تعالىٰ ذكره فوق عرشه ونؤمن بما وردت السنّة به من صفاته جلّ وعلا . ''تابعین کرام کثرت سے زندہ تھے، اس وقت ہم کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے اوپر ہے اور احادیث میں جو صفاتِ باری تعالیٰ بیان ہوئی ہیں، ان پر ہمارا ایمان ہے۔'' (كتاب الاسماء والصفات للبيهقي : ۳۰۴/۲، ح : ۸۶۵، وسندهٗ حسنٌ)

اس کا راوی محمد بن کثیر المصیصی جمہور محدثین کے نزدیک ''حسن الحدیث'' ہے۔ اس اثر کی سند کو امام ابن تیمیہ (مجموع الفتاویٰ : ۳۹/۵)، امام ابن القیم (اجتماع الجیوش الاسلامیۃ: ص ۱۳۱) اور حافظ ذہبی (تذکرۃ الحفاظ : ۱۸۰/۱) رحمہم اللہ نے ''صحیح'' کہا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ''جید'' قرار دیا ہے۔ (فتح الباری : ۴۰۶/۱۳)

شیخ الاسلام امام تیمیہ رحمہ اللہ (۶۶۱ـ۷۲۸ھ) اس اثر کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وإنّما قال الأوزاعيّ هذا بعد ظهور جهم المنكر لكون الله فوق عرشه والنافي لصفاته ، ليعرف الناس أنّ مذهب السلف خلاف ذلك .

''امام اوزاعی رحمہ اللہ نے یہ بات اس جہم بن صفوان کے ظہور کے بعد کہی تھی جو اللہ تعالیٰ کے عرش پر ہونے کا منکر اور اللہ تعالیٰ کی صفات کے اقرار سے انکاری تھا۔ امام اوزاعی رحمہ اللہ نے

لوگوں کو یہ بتایا کہ سلف کا مذہب اس کے برعکس ہے۔" (مجموع الفتاوی لابن تیمیة: ۳۹/۵)

شیخ الاسلام ثانی، عالم ربانی، علامہ ابن القیم رحمہ اللہ (۶۹۱۔۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

هذا الأثر يدخل في حكاية مذهبه ومذهب التابعين.

"یہ اثر امام اوزاعی اور تابعین رحمہم اللہ کے مذہب کی حکایت کرتا ہے۔"

(اجتماع الجیوش الاسلامیة لابن القیم: ص ۱۳۵)

امام ابن ابی العز الحنفی رحمہ اللہ (۷۳۱۔۷۹۲ھ) فرماتے ہیں:

وعلوّه سبحانه كما هو ثابت بالسمع، ثابت بالعقل الفطرة.

"اللہ تعالیٰ کا عرش پر بلند ہونا جیسے نقلی دلائل (وحی) سے ثابت ہے ویسے ہی عقلی دلائل اور فطرت سلیمہ سے بھی ثابت ہے۔" (شرح العقیدة الطحاویة لابن ابی العز الحنفی: ص ۳۹۰)

امام ابن القیم رحمہ اللہ (۶۹۱۔۷۵۱ھ) فرماتے ہیں: إنّ كلّ من أقرّ بوجود ربّ العالم، مدبّر له، لزمه الإقرار بمباينة خلقه وعلوّه عليهم.

"جو شخص کائنات کے رب اور مدبّر کا اقرار کرتا ہے، وہ لازمی طور پر اس کے اپنی مخلوق سے جدا ہونے اور مخلوق سے بلند ہونے کا اقرار ہوتا ہے۔" (مختصر الصواعق: ۲۷۰/۱)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ (۶۷۳۔۷۴۸ھ) فرماتے ہیں: أخبرنا يحيى بن أبي منصور في كتابه عن عبد القادر الحافظ: أخبرنا أبو العلاء الهمذاني: أخبرني أبو جعفر الحافظ: سمعت أبا المعالي، وسئل عن قوله: ﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ (طٰہٰ: ۵)، فقال: كان الله ولا عرش، وجعل يتخبّط، فقلت: هل عندك للضرورات من حيلة؟ فقال: ما معنى هذه الإشارة؟ قلت: ما قال عارف قطّ: يا ربّاه! إلّا قبل أن يتحرّك لسانه، قام من باطنه قصد لا يلتفت يمنة ولا يسرة ـ يقصد الفوق ـ فهل لهذا القصد الضروريّ عندك من حيلة؟ فتنبّئنا فنتخلّص من الفوق والتحت؟ وبكيت وبكى الخلق، فضرب بكمه

علی السریر ، وصاح بالحیرۃ ، ومزق ما کان علیه ، وصارت قیامة فی المسجد ، ونزل یقول : یا حبیبی ! الحیرة ، الحیرة ، والدهشة الدهشة .

''ہمیں یحییٰ بن ابی منصور نے اپنی کتاب میں بیان کیا، وہ عبد القادر الحافظ سے بیان کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: ہمیں ابولعلاء ہمدانی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں ابوجعفر الحافظ نے بیان کیا، ان کا کہنا تھا: میں نے ابوالمعالی کو سنا، ان سے فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ (طٰهٰ: ٥) (رحمٰن عرش پر مستوی ہوا) کے بارے میں سوال ہوا تو وہ کہنے لگا: اللہ تعالیٰ تو اس وقت بھی تھا جب عرش نہیں تھا۔ یوں وہ بے وقوفی کی باتیں کرنے لگا۔ میں نے اس سے کہا: کیا ضروریاتِ طبعیہ کو ماننے بغیر تیرے پاس کوئی چارہ ہے؟ وہ کہنے لگا: اس اشارے سے کیا مراد ہے؟ میں نے کہا: کبھی کسی عارف نے اپنے ربّ کو نہیں پکارا، مگر اس کی زبان کے حرکت کرنے سے پہلے اس کے دل سے ایک قصد اوپر کو اٹھتا ہے، وہ دائیں بائیں کی طرف کوئی التفات نہیں کرتا۔ کیا اس لازمی قصد سے جان چھڑانے کا کوئی حیلہ تیرے پاس ہے جو ہمیں اوپر، نیچے کے قصد سے ہماری گلوخلاصی کرا دے۔ میں رو دیا اور لوگ بھی رو دیے۔ ابوالمعالی نے اپنا چہرہ چارپائی پر رکھا اور حیرت کے مارے چیخنے اور اپنے کپڑے پھاڑنے لگا۔ مسجد میں تو گویا قیامت برپا ہوگئی۔ ابوالمعالی یہ کہتے ہوئے اُترا: اے میرے دوست! حیرت ہی حیرت ہے اور دہشت ہی دہشت ہے۔'' (سیر اعلام النبلاء للذہبی: ۴۷۷/۱۸، العلو للذہبی (مختصر): ص ۲۸۶، وسندہٗ حسنٌ)

امام ابن ابی العز الحنفی رحمہ اللہ (۷۳۱ـ۷۹۲ھ) اس واقعے کو اللہ تعالیٰ کے علو پر فطرت کی دلیل بناتے ہوئے لکھتے ہیں: أراد الشیخ أنّ هذا أمر فطر الله علیه عباده من غیر أن یتلقّوه من المرسلین ، یجدون فی قلوبهم طلبا ضروریّا یتوجّه إلی الله ویطلبه فی العلوّ . ''شیخ کی مراد یہ ہے کہ یہ ایک فطری معاملہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے بندوں کی جبلت بنائی ہے۔ اس چیز کو پیغمبروں سے سیکھے بغیر بھی لوگ

اپنے دلوں میں ایک ضروری تڑپ محسوس کرتے ہیں جو اللہ کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور بلندی میں اس کو تلاش کرتی ہے۔" (شرح العقیدۃ الطحاویۃ لابن ابی العز الحنفی: ۲۹۱)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۶۶۱ـ ۷۲۸ھ) فرماتے ہیں: القول بأنّ الله تعالی فوق العالم معلوم بالاضطرار من الکتاب والسنّة وإجماع سلف الأمّة بعد تدبّر ذلک، کالعلم بالأکل والشرب فی الجنّة، والعلم بإرسال الرسل وإنزال الکتب، والعلم بأنّ الله بکلّ شیء علیم، وعلی کلّ شیء قدیر، والعلم بأنّه خلق السموات والأرض وما بینهما، بل نصوص العلوّ قد قیل: إنّها تبلغ مئین من المواضع، والأحادیث عن النبیّ صلّی الله علیه وسلّم والصحابة والتابعین متواترة موافقة لذلک. "اللہ تعالیٰ کو کائنات سے بلند تسلیم کرنا کتاب وسنت اور غور وفکر کے بعد کیے گئے اجماعِ امت کے ساتھ ضروری طور پر معلوم ہے۔ جیسا کہ جنت میں کھانا پینا ضروری طور پر معلوم ہے اور جس طرح رسولوں کی بعثت، کتابوں کا نزول، اللہ تعالیٰ کا ہر چیز کو جاننا اور ہر چیز پر قادر ہونا اور اس کے زمین وآسمان اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کے خالق ہونے کا علم ہونا ضروری طور پر معلوم ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے بلند ہونے کے بارے میں قرآنی آیات، کہا جاتا ہے کہ وہ دو سو سے زائد ہیں۔ اس کے موافق احادیثِ نبویہ اور آثارِ صحابہ وتابعین متواتر ہیں۔" (درء تعارض العقل والنقل: ۲۶/۷)



فقیہ بنو!

امام وکیع بن جراح رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: یا فتیان! تفقّهوا فقه الحدیث، فإنکم إن تفقّهتم فقه الحدیث لم یقهرکم أهل الرأی. "اے جوانو! تم حدیث میں سوجھ بوجھ حاصل کرلو۔ اگر تم ایسا کرلو گے تو اہل الرائے تمہیں مغلوب نہیں کر سکیں گے۔" (الفقیہ والمتفقہ للخطیب البغدادی: ۷۸۴، وسندہٗ صحیح)

ابن الحسن المحمدی

صحیح بخاری میں شیعہ راوی

متقدمین کے عرف و اصطلاح میں شیعہ کا مطلب اور ہے، متاخرین کے عرف و اصطلاح میں اس کا مفہوم اور۔ اگر کسی ثقہ وصدوق راوی پر شیعہ ہونے کا الزام ہو تو منکرینِ حدیث یہ باور کراتے ہیں کہ یہ راوی متاخرین کے عرف و اصطلاح کے مطابق شیعہ ہے۔ یہ سراسر ناانصافی اور بڑا مغالطہ ہے۔

امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرنا اور دیگر صحابہ کرام پر ان کو فضیلت دینا "تشیع" ہے۔ ان کو سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما پر خلافت کے حوالے سے مقدم خیال کرنا تشیع میں غلو ہے۔ اس پر رافضی کا اطلاق بھی ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالیاں دیتا ہو یا ان سے علانیہ بغض رکھتا ہے تو وہ غالی رافضی ہے۔ کسی شخص کا "رفض" مزید شدید ہو جاتا ہے جب وہ قیامت سے پہلے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دنیا میں لوٹ کر آنے کا اعتقاد رکھتا ہے یا ان کی الوہیت کا مدعی ہے یا خیال کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں حلول کر گیا ہے یا وہ تحریفِ قرآن کا قائل ہے۔

تفضیلی شیعوں (محض سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے قائل لوگوں) کو غالی رافضیوں اور اثنا عشریوں کے برابر قرار دینا صریح جہالت اور ظلم ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فالتشيّع في عرف المتقدمين هو اعتقاد تفضيل عليّ على عثمان ، وأنّ عليّا كان مصيبا في حروبه وأنّ مخالفه مخطيء مع تقديم الشيخين وتفضيلهما ، وربما اعتقد بعضهم أنّ عليّا أفضل الخلق بعد رسول الله صلّى الله عليه وسلّم ، وإذا كان معتقد ذلك ورعا ديّنا صادقا مجتهدا ، فلا تردّ روايته بهذا لاسيّما إن كان غير داعية ، وأما التشيّع

في عرف المتأخّرين فهو الرفض المحض ، فلا تقبل رواية الرافضيّ الغالي ولا كرامة . ''متقدمین کے عرف واصطلاح میں تشیع اس اعتقاد کا نام ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت حاصل ہے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنی جنگوں میں حق بجانب تھے ، ان کے مخالف ہی خطا پر تھے۔ ساتھ ساتھ یہ لوگ سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کو ، سیدنا عثمان و سیدنا علی رضی اللہ عنہما پر مقدم رکھتے اور فضیلت دیتے ہیں۔ بسا اوقات ان میں سے بعض کا اعتقاد یہ بھی ہوتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ساری مخلوق سے افضل ہیں۔ جب یہ عقیدہ رکھنے والا انسان متقی ، پرہیزگار ، دین دار ، سچا اور مجتہد ہو تو اس (تشیع) کی وجہ سے اس کی روایت کو رد نہیں کیا جائے گا خصوصاً جب وہ بدعت کی طرف دعوت دینے والا نہ ہو۔ متاخرین کی اصطلاح میں تشیع خالص رافضیت کا نام ہے۔ غالی رافضی کی روایت قبول نہیں کی جائے گی ، نہ اس کی کوئی عزت وتکریم ہے۔''

(تهذيب التهذيب لابن حجر : ۹٤/۱)

جناب انور شاہ کشمیری دیوبندی صاحب لکھتے ہیں : واعلم أنّ الرافضيّ عند علماء الجرح والتعديل من سبّ الصحابة رضي الله عنهم ، ومن كان حبّه من أهل البيت أزيد كان يسمّونه شيعيًا ، ولم يكن العرف عندهم كما شاع الآن ، فإنّ الشيعيّ والرافضيّ عندنا واحد ، فإذا ظهر عندهم من حال أحد أن وجهته إلى أهل البيت رموه بالشيعيّة وغيرها ، وليس بشيء ، فإذا فتّشنا عن حاله لا نجده إلّا ناصحا لله ولرسوله ، فليتنبّه ، ولا ينبغي أن يتأثّر من جرحهم إذا ثبت عنده حال رجل بخصوصه من علمه ودينه .

''خوب جان لینا چاہیے کہ علمائے جرح وتعدیل کے نزدیک رافضی وہ ہوتا ہے جو صحابہ کرام کو برا بھلا کہے۔ جس کو اہل بیت سے کچھ زیادہ محبت ہو ، اس کو وہ شیعہ کا نام دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک شیعہ کا عرف واصطلاح وہ نہیں تھا جو اب عام ہو چکا ہے۔ ہمارے

نزدیک تو شیعہ اور رافضی ایک ہی ہیں لیکن علمائے جرح وتعدیل پر جب کسی آدمی کی یہ بات ظاہر ہوتی تھی کہ اس کی توجہ اہل بیت کی طرف زیادہ ہے تو وہ اس کو شیعہ کا نام دے دیتے تھے۔ اس میں کوئی حرج والی بات نہیں۔ جب ہم اس کے بارے میں تحقیق وتفتیش کرتے ہیں تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کا خیر خواہ پاتے ہیں۔ یہ مناسب نہیں کہ آدمی علمائے جرح وتعدیل کی اس جرح سے متاثر ہو جائے خصوصاً جب اس کے نزدیک راوی کی علمی اور دینی حالت ثابت ہو۔" (فیض الباری للکشمیری: ۲/۴۵۵)

نیز لکھتے ہیں: ورواه القميّ عن ليث، والقميّ هذا متّهم بالتشيّع، واخرج عند البخاريّ تعليقا، وأخرج عن آخرين ممّن اتّهموا بالخروج أيضا، وهؤلاء أكثر ممّن اتّهموا بالرفض، ولكنّهم كلّهم صدوق اللهجة، عدول، وذلك لأنّ الخوارج أصدق من الروافض، فإنّ الزلّة العلميّة لا تسقط بها العدالة بخلاف الكذب، فالخوارج تقبل روايتهم إن لم يثبت كذبهم، لأنّهم ركبوا غلطا علميّا، بخلاف الروافض، فإنّ بناء هم على الكذب والزور، وهذا في باب الرواية أشدّ الجروح. "(یعقوب بن عبد اللہ اشعری) قمی نے لیث سے یہ حدیث بیان کی ہے۔ قمی پر تشیع کا الزام ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے تعلیقاً روایت لی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے دوسرے ایسے راویوں سے بھی روایت لی ہے جن پر خارجی ہونے کا الزام ہے۔ رافضی راویوں کے مقابلے میں ان کی تعداد زیادہ ہے۔ لیکن یہ سارے کے سارے زبان کے سچے اور عادل تھے۔ یہ بات بھی ہے کہ خارجی لوگ رافضیوں سے زیادہ سچے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ علمی لغزش سے عدالت ساقط نہیں ہوتی، جبکہ کذب (جھوٹ) سے عدالت ساقط ہو جاتی ہے۔ اگر خارجیوں کا جھوٹ ثابت نہ ہو تو ان کی روایت قبول کر لی جائے گی کیونکہ وہ علمی لغزش کے مرتکب ہوئے ہیں جبکہ (غالی) رافضیوں کے مذہب کی بنیاد ہی جھوٹ پر ہے۔ جھوٹ روایات کے حوالے سے

شدید ترین جرح ہے۔" (فیض الباری للکشمیری: ۳٦۵/٤)

امام یزید بن ہارون رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لا یکتب عن الرافضۃ، فإنھم یکذبون ۔ "(غالی) رافضیوں کی حدیث نہ لکھی جائے کیونکہ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔" (الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم: ۲/۲۸، وسندہٗ حسنٌ)

جناب احمد رضا خان بریلوی صاحب کہتے ہیں: "زبانِ متاخرین میں شیعہ، روافض کو کہتے ہیں۔۔۔ حالانکہ سلف میں جو تمام خلفائے کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حسن عقیدت رکھتا اور حضرت امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو اُن میں افضل جانتا شیعی کہا جاتا بلکہ جو صرف امیر المومنین عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ پر تفضیل دیتا، اسے بھی شیعی کہتے، حالانکہ یہ مسلک بعض علمائے اہل سنت کا تھا، اسی بنا پر متعدد ائمہ کوفہ کو شیعہ کہا گیا۔ بلکہ کبھی غلبہ محبت اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم کو شیعیت سے تعبیر کرتے، حالانکہ یہ محض سنیت ہے۔"

(فتاوی رضویہ: ۵/۱۷۵، طبعہ جدیدہ)

نیز وہ سید نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ کو مخاطب ہو کر لکھتے ہیں: "ذرا رُواۃِ صحیحین دیکھ کر شیعی کو رافضی بنا کر تضعیف کی ہوتی! کیا بخاری و مسلم سے بھی ہاتھ دھونا ہے؟ ان کے رُواۃ میں تیس سے زیادہ ایسے لوگ ہیں جنہیں اصطلاح قدماء پر بلفظ تشیع ذکر کیا جاتا (ہے)۔۔۔ آپ کے زعم میں معاذ اللہ رافضی صحیحین کے راوی ہیں۔" (فتاوی رضویہ: ۵/۱۷۵۔۱۷٦)

مزید لکھتے ہیں: "متشیع اور صاحب افراد ہونا تو اصلاً موجبِ ضعف نہیں۔ صحیحین دیکھیے، ان کے رُواۃ میں کتنے متشیع ہیں۔" (فتاوی رضویہ: ۵/۳۰۳)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ، امام حاکم رحمہ اللہ کے حالاتِ زندگی میں فرماتے ہیں:

اللّٰہ یحبّ الإنصاف، ما الرجل برافضيّ، بل شیعيّ فقط .

"اللہ تعالیٰ انصاف کو پسند کرتا ہے۔ یہ آدمی رافضی نہیں بلکہ صرف شیعہ ہے۔"

(میزان الاعتدال للذہبی: ۳/٦۰۸)

ہمارے خیال میں بات نکھر گئی ہے۔ علمائے جرح وتعدیل کے نزدیک شیعہ اور رافضی کا فرق بھی قارئین کرام کی سمجھ میں آ گیا ہوگا۔ آیئے اب دیوبندیوں کے ''امام اہل سنت'' جناب سرفراز خان صفدر دیوبندی، فاضل دارالعلوم دیوبند صاحب کی طرف۔

آنجناب کو بھی اس بات سے اتفاق ہے۔ اسی بات کی تائید میں وہ لکھتے ہیں:

''متقدمین اور متاخرین کی اصطلاح لفظ شیعہ کے بارے میں جدا جدا ہے۔ حضرات متقدمین کے نزدیک لفظ شیعہ کا اور مفہوم ہے اور حضرات متاخرین کے نزدیک اور ہے۔ حافظ الدنیا، امام فنِ رجال، ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ متقدمین کے عرف واصطلاح میں تشیع کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دی جائے اور یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی جنگوں میں حق بجانب تھے اور ان کے مخالف خطا پر تھے۔''

(ارشاد الشیعہ از صفدر: ۲۰،۱۹)

صفدر صاحب مزید لکھتے ہیں: ''متقدمین کی اصطلاح میں شیعہ وہ تھے جو تمام اصول وفروع میں اہل سنت والجماعت سے متفق تھے، صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے تھے۔'' (ارشاد الشیعہ: ۲۰، ۲۱)

ایک مقام پر اس فرق کو یوں نمایاں کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''عوام تو کیا بعض خواص بھی اس فرق سے ناواقف ہیں اور بات گڈ مڈ کر دیتے ہیں اور متاخرین کی اصطلاح کو متقدمین کی اصطلاح میں فٹ کر دیتے ہیں اور اس سے پیچ در پیچ غلطیاں پیدا ہوتی ہیں۔'' (ارشاد الشیعہ: ۲۰)

صفدر صاحب نے متقدمین اور متاخرین کی اصطلاح شیعہ میں فرق اتنی صراحت سے بیان کر دیا ہے کہ اسے غور سے پڑھ لینے کے بعد کوئی شخص بھی زندگی میں کبھی بھی متقدمین کے شیعہ قرار دیے ہوئے راوی کی روایت صرف شیعہ ہونے کی وجہ سے ردّ نہیں کرے گا۔ لیکن کیا کریں کہ خود صفدر صاحب ہی اپنے بیان کیے ہوئے اس اصول کو بھول گئے تھے یا

جان بوجھ کر انہوں نے مخالفین کے دلائل پر تبصرہ کرتے وقت انصاف کا دامن چھوڑتے ہوئے اسے فراموش کر دیا تھا۔ صرف ایک مثال ملاحظہ فرمائیں، وہ لکھتے ہیں:

"سلمہ بن کہیل، یہ اگرچہ ثقہ ثبت تھے مگر عجلی، یعقوب بن شیبہ اور امام ابوداؤد کہتے ہیں کہ ان میں تشیع تھا۔ (تہذیب: ۴/۱۵۷) اور شیعہ کا نظریہ علم غیب کے بارے میں نیز حضرات صحابہ کرام کے اوپر طعن کرنے اور نفاق وغیرہ کے الزام عائد کرنے میں کسی سے مخفی نہیں۔" (ازالۃ الریب عن عقیدۃ علم الغیب از صفدر: ص ۳۴۸)

قارئین کرام غور فرمائیں کہ خود صفدر صاحب نے متقدمین کے نزدیک شیعہ اسے قرار دیا جس کے سارے عقائد و اعمال اہل سنت والجماعت والے ہوں، سوائے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دینے کے، نیز یہ بھی بتایا کہ اس اصطلاح کو نہ سمجھنے کی وجہ سے آدمی پیچ در پیچ غلطیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ افسوس کہ وہ دوسروں کو تو ان غلطیوں سے آگاہ کرتے رہے لیکن خود انہی پیچ در پیچ غلطیوں میں الجھ بیٹھے۔

ہم دیوبندی بھائیوں سے سوال کرتے ہیں کہ کیا سلمہ بن کہیل کو شیعہ کہنے والے ائمہ دین متقدمین نہیں اور کیا متقدمین کے عرف و اصطلاح میں شیعہ وہ تھے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن کرتے تھے؟ اگر ایسا نہیں تھا اور یقیناً نہیں تھا جیسا کہ صفدر صاحب کو بھی اقرار تھا تو وہ خود اس اصطلاح کو کنڈم کر کے پیچ در پیچ غلطیوں میں کیوں پڑ گئے؟

متقدمین اور متاخرین کے عرف و اصطلاح میں شیعہ کے بارے میں فرق ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی رحمہ اللہ پر تشیع کا الزام ہے۔ (الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم: ۶/۱۷، الثقات للعجلی: ۱۰۰۰، تقریب التہذیب لابن حجر: ۴۰۶۴)

صحابہ کرام پر طعن کرنا تو کجا، امام عبدالرزاق رحمہ اللہ باوجود شیعہ ہونے کے سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت بھی دیتے تھے۔ (تاریخ دمشق: ۳۸/۱۳۱-۱۳۲، وسندہ صحیح)

نیز امام عبدالرزاق رحمہ اللہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے

ہیں: وبه نأخذ. ”ہم اسی پر عمل کرتے ہیں۔“ (مصنف عبد الرزاق: ٥٥٣٤)

کیا امام عبد الرزاق رحمہ اللہ جو کہ شیعہ ہیں، ان کو صحابہ کرام کا دشمن یا علم غیب کے بارے میں بدعقیدہ کہا جا سکتا ہے؟ خوب سمجھ لینا چاہیے!

صفدر صاحب کا سلمہ بن کہیل جیسے ثقہ ثبت امام کی روایات کو محض شیعہ ہونے کی وجہ سے رد کر دینا انتہائی عجیب ہے۔ وہ خود زاذان نامی ایک راوی کے بارے میں لکھتے ہیں:

”بعض حضرات نے بلاوجہ زاذان کی شیعیت کو اس حدیث کے ضعف کا سبب بنایا ہے، مگر بے سود ہے کیونکہ اُس دَور کی شیعیت کی مراد اِس دَور کی رافضیت ہرگز نہیں ہے۔اس زمانہ میں تمام حضرات صحابہ کرام سے حسن ظن رکھتے ہوئے بعض مذہبی اور سیاسی وجوہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف مائل ہونے والے شیعہ کہلاتے ہیں۔ امام نسائی رحمہ اللہ، عبدالرزاق بن ہمام رحمہ اللہ اور حاکم صاحب مستدرک وغیرہ اسی قبیل سے تھے۔اور ایسے شیعہ کی روایتوں سے کتب صحاح بھری اور اَٹی پڑی ہیں۔“ (آنکھوں کی ٹھنڈک: ص ١٦٧)

نہ جانے یہ بات صفدر صاحب کو سلمہ بن کہیل کے بارے میں کیوں یاد نہیں آئی؟ اس تضاد بیانی کا سبب بھول چُوک تھی یا کچھ اور، یہ عقدہ تو ان کا کوئی فیض یافتہ ہی حل کر سکتا ہے البتہ ہم آخر میں صفدر صاحب کے بارے میں ان کے فرزند جناب زاہد الراشدی صاحب کا یہ بیان ضرور پیش کریں گے کہ:

”متعدد بار ایسا ہوا کہ کسی حدیث کی تلاش میں ذہن کام نہیں کر رہا اور تلاش کے باوجود نہیں مل رہی تو وہ بتاتے کہ فلاں کتاب کے فلاں باب میں دیکھو اور وہ حدیث وہیں مل جاتی۔ یہ باتیں ان کی صحت کے دور کی نہیں بلکہ اس بیماری کے دور کی ہیں جبکہ وہ اپنی مرضی سے کروٹ بھی نہیں بدل سکتے تھے۔ لیکن ذہنی استحضار کا یہ عالم تھا کہ ہمیں رشک آتا تھا۔“ (هفت روزہ وزارت، لاهور: ص ١)



حافظ ابو یحییٰ نور پوری

جلسہ استراحت سنت ہے!

گزشتہ شمارے میں ہم نے جلسہ استراحت کے مسنون ہونے کے دلائل صحیح و صریح احادیث نبویہ اور صحابہ کرام و تابعین کے عمل مبارک سے پیش کر دیے تھے، نیز یہ بھی ثابت کر دیا تھا کہ نبی اکرم ﷺ سے تو کجا کسی ایک صحابی سے بھی جلسہ استراحت کا ترک یا ممانعت بالکل ثابت نہیں۔ اس حوالے سے جتنی بھی روایات آج تک مقلدین نے ذکر کی ہیں، وہ یا تو اصول محدثین کے مطابق صحیح نہیں یا پھر ان کا سرے سے اس مسئلے سے تعلق ہی نہیں۔ اب رہ گئی بات بعض تابعین کے عمل کی اور بعض بے تکے قیاسات کی تو قارئین کرام اس پر تبصرہ بھی ملاحظہ فرمالیں:

جناب انوار خورشید صاحب فقہ حنفی کو حدیث کے مطابق و موافق اور مسلک اہل حدیث کو حدیث کے مخالف ثابت کرنے کے لیے لکھی گئی اپنی کتاب ''حدیث اور اہل حدیث'' میں جلسہ استراحت کے خلاف ایک دلیل یہ دیتے ہیں:

[[حضرت ابن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ بھی جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے:

عن محمد بن عبداللہ قال : کان ابن أبی لیلی ینهض فی الصلاة علی صدور قدمیه . (مصنف ابن ابی شیبہ: ص۳۹۴ ج۱)

محمد بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نماز میں اپنے پاؤں کے پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے۔]] (حدیث اور اہلحدیث: ٤٤٥)

تبصرہ: ① یہ روایت حفص بن غیاث اور سلیمان الاعمش کی ''تدلیس'' کی وجہ سے سخت ''ضعیف'' ہے، لہٰذا اس روایت کی نسبت ابن ابی لیلیٰ کی طرف درست نہیں۔ یہ محض الزام ہے۔

② اگر بالفرض والمحال اس روایت کو ثابت مان بھی لیں تو ابن ابی لیلیٰ تابعی کا

عمل نہ قرآن ہے، نہ حدیث، نہ قولِ صحابی اور نہ قولِ ابی حنیفہ، لہٰذا مقلدین کو یہ کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔ اگر وہ ہمارے خلاف کچھ پیش کرنا چاہتے ہیں تو قرآن، حدیث یا اجماعِ امت میں سے کچھ پیش کریں اور اگر وہ اپنی دلیل کے طور پر کچھ ذکر کرنا چاہیں تو اپنے مقلَّد امام کا قول پیش کریں جس کے وہ مقلِّد ہیں۔

ابراہیم نخعی کا "ضعیف" اثر!

انوار خورشید صاحب کی طرف سے جلسہ استراحت نہ کرنے کی ایک دلیل یہ ہے:

[[حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ بھی جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے۔

عن إبراهيم أنه كان يسرع في القيام في الركعة الأولى من آخر سجدة. (مصنف ابن ابی شیبہ: ص ۳۹۵ ج ۱)

حضرت ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ وہ پہلی رکعت کا دوسرا سجدہ کر کے قیام میں جلدی کرتے تھے۔]] (حدیث اور اہلحدیث: ۴۴۵)

تبصرہ: ① اس کی سند میں سفیان ثوری کی تدلیس موجود ہے، جب کوئی مدلس راوی سماع کی تصریح نہ کرے تو اس کی روایت "ضعیف" ہوتی ہے۔

② مقلدین سے پھر ہمارا سوال ہے کہ آپ اگر ہمارے خلاف کوئی بات پیش کرنا چاہتے ہیں تو قرآن و حدیث اور اجماعِ امت سے پیش کریں اور اگر اپنی دلیل میں کوئی بات کرنا چاہتے ہیں تو اپنے امام ابو حنیفہ کی کوئی بات ذکر کریں۔ آپ امام ابو حنیفہ کی اندھی تقلید کا دَم بھرتے ہیں، ابراہیم نخعی کی تقلید جامد کا نہیں۔ کیا ابراہیم نخعی کے اقوال کی پیروی کا نام مذہب حنفی ہے؟ اگر ایسا ہے تو ہم ابراہیم نخعی کے بہت سے اقوال ایسے پیش کر سکتے ہیں جن پر عمل پیرا ہونے پر آپ کبھی تیار نہیں ہو سکتے۔

نامعلوم مشائخ کا معمول!

انوار خورشید دیوبندی صاحب جلسہ استراحت کے خلاف دلیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

[[عام مشائخ کا معمول تھا کہ وہ جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے:

عن الزهري قال : كان أشياخنا لا يمايلون يعني إذا رفع أحدهم رأسه من السجدة الثانية في الركعة الأولى والثالثة ينهض كما هو ولم يجلس. (مصنف ابن ابی شیبہ: ص ۳۹۴ ج ۱)

امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے مشائخ مائل نہیں ہوتے تھے یعنی جب کوئی ان میں سے پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدے سے سر اٹھاتا تو ویسے ہی سیدھا کھڑا ہو جاتا تھا بیٹھتا نہ تھا۔]] (حدیث اور اهلحدیث: ٤٤٦)

تبصرہ: صحیح و صریح سنت کے مقابلے میں امام زہری کے نامعلوم مشائخ کا عمل پیش کرنا تقلید ہی کا کرشمہ ہے، تقلید ناسدید کی یہی تعریف ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمانِ گرامی کے خلاف مشائخ کا بے دلیل عمل قبول کر لینا۔

بعض ائمہ کا بے سند عمل!

جناب دیوبندی صاحب مزید لکھتے ہیں:

"حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت امام مالک، حضرت امام احمد بن حنبل جلسہ استراحت کے قائل نہیں ہیں۔" (حدیث اور اهلحدیث: ٤٤٦)

تبصرہ: محض ناموں کا رعب کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ اگر انوار صاحب اور ان کے ہم نواؤں میں کوئی علمی جرأت ہے تو وہ ان ائمہ سے باسند صحیح جلسہ استراحت کا ترک یا ممانعت ثابت کریں۔ امام احمد رحمہ اللہ کا جلسہ استراحت کو جائز سمجھنا اور اس کے ترک سے رجوع کرنا ہم ثابت کر چکے ہیں۔ اب دیوبندی اصحاب کو چاہیے کہ وہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی طرح حدیث نبوی کو دیکھ کر جلسہ استراحت کے ترک سے رجوع کر لیں۔

تبصرہ:

اب دیوبندی صاحب اپنے دلائل سے فارغ ہو کر یوں تبصرہ کرتے ہیں:

"مذکورہ احادیث و آثار سے ثابت ہو رہا ہے کہ پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدے سے فارغ ہو کر بغیر بیٹھے سیدھے کھڑے ہو جانا مسنون ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معمول مبارک یہی تھا، آپ پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدے سے فارغ ہو کر سیدھے کھڑے ہو جاتے تھے۔" (حدیث اور اہلحدیث: ٤٤٧)

تبصرہ در تبصرہ: دیوبندی صاحب کی بیان کردہ مذکورہ احادیث و آثار کی حقیقت ہم نے قارئین کے سامنے رکھ دی ہے۔ ان کی بیان کردہ احادیث یا تو اصول محدثین کے مطابق نا قابل حجت ہیں یا ان میں جلسہ استراحت کا سرے سے ذکر ہی نہیں ہے۔ سب سے پہلی حدیث جو مقلدین حضرات نے پیش کی تھی، وہ خود ان کے بقول بھی "ضعیف" تھی۔ اس کے باوجود بڑی ڈھٹائی سے انوار خورشید دیوبندی صاحب نے لکھ دیا ہے: "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آپ کا یہی معمول نقل فرماتے ہیں۔"

(حدیث اور اہلحدیث: ٤٤٧)

حالانکہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بات پایہ ثبوت کو نہیں پہنچ سکی کیونکہ خالد بن ایاس راوی کو خود امام ترمذی نے "ضعیف" کہہ دیا ہے اور مزے کی بات یہ ہے کہ دیوبندیوں کی اس تسلیم شدہ "ضعیف" حدیث میں بھی ترک جلسہ استراحت کا سرے سے کوئی ذکر نہیں۔ ایسی احادیث کو صحیح بخاری سے ثابت شدہ فعل و امر نبوی اور جامع ترمذی وغیرہ سے ثابت شدہ اتفاق صحابہ کے مقابلے میں پیش کرنا تقلید پرستوں کا ہی خاصہ ہے۔ رہے آثار تو اکثر سنداً ضعیف ہیں۔ اگر وہ صحیح ثابت ہو بھی جائیں تو ان کو احادیث نبویہ کے خلاف پیش کر کے ان پر عمل کرنا کسی مسلمان کا شیوا نہیں ہو سکتا۔

فائدہ : جناب انوار خورشید صاحب نے سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی اسی حدیث سے جلسہ استراحت کی نفی کرنے کی کوشش کی ہے جس سے ائمہ محدثین جلسہ استراحت کا مسنون ہونا ثابت کر چکے ہیں۔

علامہ سندھی حنفی سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

هذا الحديث يدلّ على ثبوت جلسة الاستراحة ، ومن لا يقول بها حملها على أنّه صلّى الله عليه وسلّم فعلها في آخر عمره حين ثقل ولم يفعل قصدا ، والسنّة ما فعله قصدا لا ما فعله بسبب آخر ، لكن أورد عليه قوله صلّى الله تعالى عليه وسلّم لمالك وأصحابه : صلّوا كما رأيتموني أصلّي ، وأقلّ ذلك أن يكون مستحبًا ، وأيضا قد جاء الامر بها في بعض روايات حديث الأعرابيّ المسيئ صلاته . ''یہ حدیث جلسہ استراحت کے ثبوت پر دلیل ہے۔جو لوگ اس کے قائل نہیں ہیں وہ اسے آپ ﷺ کی آخری عمر میں بڑھاپے کی حالت پر محمول کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ آپ نے اسے قصداً نہیں کیا اور سنت وہ ہوتی ہے جسے آپ قصداً انجام دیں، نہ کہ کسی اور سبب سے۔لیکن نبی ﷺ کا سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کو یہ فرمانا کہ جیسے مجھے دیکھتے ہو ویسے ہی نماز پڑھو، اس تاویل کا ابطال کرتا ہے۔یہ عمل کم از کم بھی استحباب پر محمول ہوگا، نیز مسیئ الصلاۃ صحابی کے متعلق وارد بعض روایات میں جلسہ استراحت کا حکم بھی موجود ہے۔(حاشية السندي على سنن النسائي : ۲۳۴/۱)

ثابت ہوا کہ صحیح بخاری کے ان الفاظ کو صرف ہم نے ہی حجت نہیں بنایا بلکہ اکابر حنفی بزرگ بھی اس حدیث کو جلسہ استراحت کے مسنون ہونے کی دلیل سمجھتے تھے۔وہ ان الفاظ کو وہم نہیں سمجھتے تھے ورنہ کبھی ان الفاظ سے دلیل نہ لیتے ، نیز اس مسئلہ میں ان کے بڑے بھی ان کا ساتھ دینے سے انکار کر رہے ہیں اور جلسہ استراحت کو کم از کم مستحب کہہ

رہے ہیں۔

صحیح حدیث کے خلاف ایک بودی تاویل!

ایک اور قابل غور بات جو علامہ سندی حنفی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے، یہ ہے کہ اگر جلسہ استراحت نماز کے طریقے میں شامل نہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ جلسہ استراحت کے ساتھ نماز پڑھنے کے بعد عینی شاہدین کو یہ کیوں فرماتے کہ تم بھی اسی طرح نماز پڑھا کرو جس طرح ابھی مجھے پڑھتے دیکھا ہے؟ کیا نبی اکرم ﷺ کو معلوم نہ تھا کہ میں نے مجبوری کی بنا پر یہ کام کیا ہے لہذا صحابہ کرام کو یہی طریقہ اپنانے کا حکم نہ دوں؟ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس بات کا علم کیوں نہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے تو ایسا بڑھاپے کی بنا پر کیا تھا؟

ان سب باتوں سے بے نیاز ہو کر جناب محمد سرفراز خان صفدر دیوبندی حیاتی صاحب لکھتے ہیں: ''جمہور یہ فرماتے ہیں کہ یہ بیٹھنا آنحضرت ﷺ کے بڑھاپے کی وجہ سے تھا، نہ اس لئے کہ یہ نماز کا ایک فعل ہے۔'' (خزائن السنن از صفدر:)

اولاً تو دیوبندی حضرات کی خدمت میں گزارش ہے کہ ہمارے نزدیک جمہور کی رسول اکرم کے صریح قول وفعل اور کثیر صحابہ کرام کے عمل کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں۔

ثانیاً آپ ذرا باسند صحیح جمہور سے جلسہ استراحت کا ترک یا ممانعت ثابت تو کریں، محض دعوے سے کام نہیں چلے گا۔

ثالثاً ہمیں جمہور بتانے سے پہلے ذرا اپنے آپ پر غور فرمائیں کہ آپ جمہور کا کس قدر لحاظ کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

احناف اور جمہور اہل علم کا لحاظ!

① عورت کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر نہ ہونا صحابہ کرام کے مابین متفق علیہا مسئلہ ہے، نیز ائمہ ثلاثہ کا فتویٰ اور جمہور اہل علم کا قول بھی یہی ہے لیکن مقلدین اس کی

ذرا برابر پرواہ نہیں کرتے، بلکہ عورتوں کو عدالت میں خود اپنا نکاح کرنے کی اجازت دے کر اسلام کے نظامِ عفت وعصمت کو تار تار کرنے میں کسی قسم کی عار بھی محسوس نہیں کرتے۔

② ایک وتر خلفائے راشدین سے ثابت ہے، ائمہ ثلاثہ، امام اسحاق بن راہویہ اور جمہور سلف کے نزدیک ایک وتر جائز ہے لیکن مقلدین اس کے سخت مخالف ہیں۔

③ جمہور اہلِ علم حدیثِ رسول ((ذكاة الجنين ذكاة أمه)) پر عمل کرتے ہیں، یعنی ان کا موافقِ حدیث موقف یہ ہے کہ مادہ کے پیٹ کا بچہ مادہ کے ذبح کرنے سے ہی ذبح ہو جاتا ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے علاوہ امام ابوحنیفہ کے دونوں شاگردوں، قاضی ابو یوسف اور محمد بن حسن شیبانی کا بھی یہی مذہب ہے لیکن مقلدین عموماً اس کے خلاف ہی فتویٰ دیتے ہیں کیونکہ ان کے امام ابوحنیفہ سے ایسے منقول ہے۔

رہی یہ تاویل کہ آپ کا جلسہ استراحت بڑھاپے کی وجہ سے تھا، تو یہ دلیل نہ ہونے کی وجہ سے باطل ہے۔ صرف ایک تقلیدی احتمال کی وجہ سے آپ کی سنت کو چھوڑ دینا مقلدین ہی کا جگرہ ہے۔ آپ کا حکم بھی ہم ثابت کر آئے ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: إنّ الأصل عدم العلّة . ''اصل تو علت کا نہ ہونا ہے (علت کے لیے کسی واضح دلیل کی ضرورت ہوتی ہے)۔'' (فتح الباری: ۳۰۲/۲)

پھر اگر آپ ﷺ نے جلسہ استراحت مجبوری کی بنا پر کیا تھا اور یہ نماز کا طریقہ نہ تھا تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو اس کا حکم کیوں دیا؟ اب تو اس تاویل کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی، نیز مقلدین سے سوال ہے کہ کیا سیدنا ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی نماز کی سنن ومستحبات کو بخوبی جانتے تھے یا مقلدین؟ سیدنا ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی تصدیق کرنے والے دس صحابہ کرام بھی یہ نہ سمجھ سکے کہ آپ کا یہ فعل سنت نہ تھا، عذر کی وجہ سے تھا لیکن مقلدین کی سمجھ میں یہ بات آ گئی !!!

سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ نے بھی نبی اکرم ﷺ سے یہ جلسہ نقل کیا اور لوگوں کو

سکھایا۔ مقلدین اپنی نام نہاد فقہ کی گرتی ہوئی دیوار کو بچانے کے لئے صحابہ کرام کی فقہ کو بھی مطعون کرنے سے باز نہیں آتے !!!

پھر یہ بات بھی متفق علیہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے نماز میں جو طریقہ کار اختیار کیا ہے، وہی طریقہ اپنانا ہمارے لیے بھی ضروری ہے، سوائے اس صورت کے کہ آپ ﷺ کسی خاص طریقے کے بارے میں کوئی خاص حکم فرما دیں۔ جلسہ استراحت کو آپ ﷺ نے اپنایا ہے، آپ ﷺ کو دیکھ کر صحابہ کرام بھی ایسا کرتے تھے۔ آپ ﷺ یا کسی صحابی سے اس کو چھوڑنا یا اس کا مجبوری کے وقت خاص ہونا ثابت نہیں۔

جناب محمد سرفراز خان صفدر دیوبندی صاحب بھی لکھتے ہیں:

''لہٰذا اس اصول کے تحت صلّوا کما رأیتمونی اصلّی اور ثمّ ارفع حتّی تطمئنّ جالسا کے امر بھی کم از کم استحباب پر تو دلالت کریں گے ہی۔۔۔''

کیا ائمہ حرمین شریفین کا عمل حجت ہے ؟

جناب انوار خورشید دیوبندی صاحب آخر میں فرماتے ہیں:

''آج بھی حرمین شریفین کے امام جلسہ استراحت نہیں کرتے۔''

(حدیث اور اہلحدیث : ٤٤٨)

تبصرہ : ① جناب انوار خورشید صاحب کا نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام سے ثابت شدہ ایک طریقہ نماز کے خلاف ائمہ حرمین کا عمل پیش کرنا کسی طرح دانشمندی نہیں کیونکہ عمل حرمین نہ ہمارے نزدیک حجت ہے نہ مقلدین کے، پھر اس کے ذکر کرنے سے فائدہ کیا؟ اہل الحدیث قرآن و سنت کا اتباع کرتے ہیں جبکہ مقلدین امام ابوحنیفہ کے اندھے مقلد ہیں۔ عمل حرمین کو شرعی حجت دونوں میں سے کوئی بھی نہیں مانتا۔ مشہور مقلد جناب محمد سرفراز خاں صفدر دیوبندی صاحب نے خود اقرار کیا ہے کہ ان کے

نزدیک حرمین کا عمل حجت نہیں ہے۔(راہ سنت از سرفراز خان صفدر : ۱۶۷)

② آج بھی حرمین شریفین کے امام رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کے قائل وفاعل ہیں۔کیا دیوبندی حضرات اس پر عمل کریں گے؟

③ آج بھی حرمین شریفین کے امام نماز میں بلند آواز سے آمین کے قائل و فاعل ہیں۔کیا کوئی مقلد آج یہ ہمت کرے گا؟

④ آج بھی حرمین شریفین کے امام نماز میں سینے پر ہاتھ باندھتے ہیں۔ مقلدین کی خواتین تو اس پر عمل پیرا ہیں۔کیا انوار خورشید دیوبندی صاحب بھی اب سینے پر ہاتھ باندھنا شروع کردیں گے؟

اس کے علاوہ اور بہت سے امور میں دیوبندی حضرات ائمہ حرمین کی سخت مخالفت کرتے ہیں۔کیا ان تمام کاموں میں ان کی مخالفت کرتے اور ایک عمل کو دلیل بناتے ہوئے انوار خورشید صاحب کو انصاف کا کوئی خیال نہیں آیا؟

صحابی رسول کی نو عمری کا اعتراض !

جناب محمد سرفراز خاں صفدر حیاتی دیوبندی صاحب نے صحیح حدیث کو رد کرنے کا کوئی اور بہانہ نہ پاتے ہوئے صحابیٔ رسول سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے:

''حضرت مالک بن حویرث نوعمر تھے اور صرف ۲۰ دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے۔وہ اپنی کم عمری کی وجہ سے اس جلسہ استراحت کو نماز کا ایک فعل سمجھے اور اسی پر وہ عمل پیرا تھے۔''(خزائن السنن : ۲/۱۱۴)

تبصرہ: یہ ہے دیوبندیت کا اصل چہرہ! یہ لوگ محض اپنی اندھی تقلید کو بچانے کے لیے حدیثِ رسول میں اس طرح کے شکوک وشبہات پیدا کرتے ہیں۔کیا سیدنا مالک بن حویرث جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تھے تو وہ اتنے کم عمر تھے کہ درست و غلط میں تمیز نہ کر

سکتے تھے؟ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضری کے وقت سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی عمر کیا تھی، انھی کی زبانی ملاحظہ فرمائیں۔ فرماتے ہیں:

أتينا رسول الله صلّى الله عليه وسلّم ونحن شببة .

"جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہم جوان تھے۔"

نیز نماز سیکھ کر جب وہ رخصت ہونے لگے تو آپ ﷺ نے انھیں فرمایا:

((ارجعوا إلى أهليكم فأقيموا فيهم ، وعلّموهم ، ومروهم))

"تم اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ، ان کے پاس ٹھہرو، ان کو نماز سکھاؤ اور انھیں نماز کا حکم دو۔" (صحیح البخاری: ٦٣١، صحیح مسلم: ٦٧٤/٢٩٢)

اگر دیوبندی حضرات کے مطابق سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ جوان ہونے کے باوجود کم عمر تھے اور رسول اللہ ﷺ کا طریقہ نماز صحیح طرح سے سمجھ نہ پائے تھے تو ہمارا سوال ہے کہ اس بات کا علم رسول اللہ ﷺ کو کیوں نہ ہوا؟ آپ ﷺ نے لوگوں کو نماز سکھانے کے لیے ان کی ڈیوٹی کیوں لگا دی تھی؟ آج بھی کوئی سمجھدار استاذ کسی ایسے شاگرد کو لوگوں کی تعلیم کے لیے مقرر نہیں کرتا جو اس کام کا اہل نہ ہو، پھر دنیا کے سب سے بڑے استاذ محمد رسول اللہ ﷺ ایسا کیسے کر سکتے تھے؟ مقلدین کچھ تو خوفِ الٰہی کو خاطر میں لائیں!

سیدنا عبد اللہ بن عمر، سیدنا عبد اللہ بن عباس اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہم جیسے کتنے ہی صحابہ کرام ہیں جنھوں نے اپنی عمر کے اوائل میں ہی رسول اللہ ﷺ کے معمولات وارشادات یاد کیے اور بعد میں انھیں امتِ محمدیہ تک پہنچایا اور آج ان کا بیان کیا ہوا ذخیرۂ حدیث دینِ اسلام کا بہت بڑا ماخذ ہے۔ اگر صحابہ کرام کی کم عمری حدیثِ رسول کو تسلیم کرنے میں رکاوٹ بننے لگے تو انصاف پسند دیوبندی بھائی ہی فیصلہ کریں کہ حدیث کا کتنا حصہ قابل اعتبار رہ جائے گا؟ نیز کسی بدعتی یا منکر حدیث کے لیے احادیث کے انکار میں کونسی رکاوٹ رہ جائے گی؟

صفدر صاحب مزید لکھتے ہیں:

''آپ کی خدمت میں دائماً رہنے والے حضرات صحابہ کرام اس کاروائی کو آپ کے ضعف اور کمزوری پر محمول کرتے رہے والحقّ معهم۔'' (خزائن السنن : ۲/۱۱۴)

یہ زبانی کلامی دعویٰ ہے، کوئی دیوبندی صاحب ہمت کر کے کسی ایک صحابی سے ہی باسندِ صحیح یہ ثابت کر دیں کہ آپ ضعف اور کمزوری کی وجہ سے جلسہ استراحت فرماتے تھے۔

هاتوا برهانكم إن كنتم صدقين!

آخری عمر اور مقلدین کا تضاد!

صفدر صاحب جلسہ استراحت کے خلاف لکھتے ہیں:

''مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ تبوک کی تیاری کے وقت آپ کے پاس آئے تھے اور غزوۂ تبوک ۹ ھ میں ہوا تھا۔ اس وقت آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک تقریباً باسٹھ سال تھی اور بڑھاپے اور کمزوری کا زمانہ تھا۔'' (خزائن السنن : ۲/۱۱۴)

دیوبندی بھائیو! یہ وہی مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ ہیں جن سے رفع الیدین کی روایات صحیح بخاری میں آتی ہیں۔ آپ خود تسلیم کر رہے ہیں کہ وہ آپ ﷺ کی آخری، یعنی بڑھاپے والی عمر میں حاضر ہوئے تھے، پھر رفع الیدین جو کہ رسول اللہ ﷺ کا آخری عمل ہے، آپ اس پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ ثابت ہوتا ہے کہ مقلدین احادیث کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرتے ہیں، تسلیم کرنا تو ان کا مشغلہ ہی نہیں۔

صفدر صاحب کی بندر بانٹ!

جناب سرفراز خان صفدر صاحب لکھتے ہیں:

''علاوہ ازیں حضرت ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ نے دس صحابہ کرام کی جماعت میں بڑی ذمہ داری سے انا أعلمكم بصلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم (میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کو تم سب سے بڑھ کر جانتا ہوں) کے الفاظ سے آپ کی نماز کا جو طریقہ بتایا اس

میں دوسرے سجدے کے بعد فرمایا: ((ثم کبّر ، فلم یتورّک)) الحدیث . (پھر آپ ﷺ نے تکبیر کہی اور تورّک نہیں کیا)۔"

تبصرہ: ① دیوبندی بھائیوں کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ سیدنا ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ نے دس صحابہ کرام کی جماعت میں بڑی ذمہ داری سے انا اعلمکم بصلاۃ رسول اللہ .... کے الفاظ سے نبی اکرم ﷺ کی نماز کا جو طریقہ بتایا اس میں رکوع جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کا بھی ذکر ہے جس سے آپ کو سخت چڑ ہے۔ کیا آپ اس حدیث کو صحیح سمجھ کر رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کی عظیم سنت پر عمل کریں گے؟ اگر آپ خود اس پر عمل نہیں کر سکتے تو ہمارے خلاف کیوں پیش کرتے ہیں؟ اسے بندر بانٹ کا نام نہ دیا جائے تو اور کیا کہا جائے!

② ہم سیدنا ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے ہی صحیح سند کے ساتھ آپ کا جلسہ استراحت ثابت کر چکے ہیں اور بتا چکے ہیں کہ تورّک کی نفی سے جلوس کی نفی لازم نہیں آتی، نیز ہم ثابت کر چکے ہیں کہ اس کی سند میں نہ تو عبدالحمید بن جعفر راوی "ضعیف" ہے اور نہ ہی یہ منقطع ہے بلکہ محض صفدر صاحب کا وہم ہے جو صحیح مسلم کے عند الجمہور "ثقہ" راوی کو ضعیف قرار دینے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ خود ان کے انصاف پسند عالم جناب عبدالحیٔ لکھنوی حنفی (السعایہ از لکھنوی: ۲۵۹/۱۔۲۶۰) نے عبدالحمید بن جعفر کے دفاع کا حق ادا کر دیا ہے۔ دیوبندی بھائیوں کو چاہیے کہ پہلے اپنے گھر کی خبر لیں!

رہا انقطاع کا اعتراض تو اس کا جواب بھی پیچھے گزر چکا ہے کہ یہ فن حدیث کی مشہور اصطلاح المزید فی متصل الاسانید کی ایک صورت ہے، لہٰذا اسے "انقطاع" قرار دینا اصول حدیث سے ناانصافی ہے۔ ویسے بھی سند کا "انقطاع" دیوبندیوں کے نزدیک تو مضر ہی نہیں۔ جناب ظفر احمد تھانوی دیوبندی صاحب ایک مقام پر لکھتے ہیں:

ولکنّ الانقطاع لا یضرّ عندنا کما مرّ غیر مرّۃ .

"لیکن ہمارے نزدیک انقطاع مضر نہیں جیسا کہ کئی مرتبہ بتا دیا گیا ہے۔

(اعلاء السنن از تھانوی: ۲/۸۲۲، ۸۱۱)

معلوم ہوا کہ یہ سند اصولِ محدثین اور اصولِ دیوبند کے مطابق بالکل صحیح ہے۔

ایک "اجماعی" لطیفہ:

غالی حنفی جناب ابن ترکمانی (۶۸۳۔۷۵۰ھ) لکھتے ہیں:

وفي نوادر الفقهاء لابن بنت نعيم : أجمعوا أنّه إذا رفع رأسه من آخر سجدة من الركعة الأولى والثالثة نهض ولم يجلس ، إلّا الشافعي ، فإنّه استحبّ أن يجلس كجلوسه للتشهّد ، ثمّ ينهض قائما .

"ابن بنت نعیم کی کتاب نوادر الفقہاء میں ہے کہ پہلی اور تیسری رکعت میں دوسرے سجدہ سے فارغ ہونے کے بعد بیٹھنے کے بغیر اٹھنے پر اجماع ہے، سوائے امام شافعی کے کہ وہ اٹھنے سے پہلے تشہد کی طرح بیٹھنا مستحب سمجھتے تھے۔" (الجوہر النقی لابن الترکمانی: ۲/۱۲۵۔۱۲۶)

تبصرہ: ① سبحان اللہ! بھلا رسول اکرم ﷺ کے قول و فعل، کثیر صحابہ کے عمل اور بہت سے ائمہ دین مثلاً امام ابن خزیمہ، امام احمد بن حنبل، امام اسحٰق بن راہویہ، امام ابن حبان، امام بیہقی، حافظ ابن حزم رحمہم اللہ وغیرہم کے واضح فتوے کے بعد جلسہ استراحت کے ترک پر کسی اجماع کا دعویٰ کرنا کسی عقل و شعور والے شخص کو زیب دیتا ہے؟ یہ ایک مقلد کے ہی شایان شان ہے کہ وہ ان سب حقائق سے چشم پوشی کر کے جھوٹے اجماع پر مبنی ایسی باطل و فاسد عبارات کو بغیر نقد کے ذکر کر دے!

ایک اصولی غلطی!

مشہور غالی حنفی جناب محمد علی نیموی (م ۱۳۲۲ھ) لکھتے ہیں:

عن عكرمة قال : صلّيت خلف شيخ بمكّة ، فكبّر ثنتين وعشرين تكبيرة ، فقلت لابن عبّاس رضي الله عنه : إنّه أحمق ، فقال : لكلتك أمّك ، سنّة أبي

القاسم ، رواه البخاریّ . (قال النیمویّ) : یستفاد منه ترک جلسة الاستراحة وإلّا لکانت التکبیرات أربعا وعشرین مرّة لأنّه قد ثبت أنّ النبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم کان یکبّر فی کلّ خفض ورفع وقیام وقعود .

''عکرمہ کہتے ہیں کہ میں نے مکہ میں ایک شیخ کی اقتدا میں نماز ادا کی، اس نے ۲۲ تکبیریں کہیں۔ میں نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ وہ احمق ہے۔ اس پر انہوں نے فرمایا: تجھے تیری ماں گم پائے! یہ تو ابو القاسم کی سنت ہے۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔ اس سے جلسہ استراحت کا ترک معلوم ہوتا ہے ورنہ تکبیر ۲۴ مرتبہ ہوتی کیونکہ نبی سے ثابت ہے کہ آپ ہر نیچے جانے، اوپر اٹھنے، بیٹھنے اور کھڑا ہونے پر تکبیر کہتے تھے۔

(آثار السنن للنیموی : ٤٤٨)

تبصرہ: ① اس روایت میں جلسہ استراحت کے ترک کی کوئی بات نہیں، اس کے برعکس ہم صراحت سے صحیح بخاری میں ہی آپ کا فعل اور حکم مبارک ثابت کر چکے ہیں۔ اصطلاحی لفظوں میں یوں سمجھیں کہ اس روایت سے ترک جلسہ استراحت کا ثبوت اشارۃ النص کے ذریعے کھینچ تان کر پیش کیا جا رہا ہے جبکہ ہم عبارۃ النص سے بالصراحت جلسہ استراحت ثابت کر چکے ہیں۔ اصول فقہ کا ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ عبارۃ النص، اشارۃ النص سے مقدم ہوتی ہے۔

② اس حدیث میں عموم ہے کہ آپ ہر خفض و رفع (اوپر نیچے جاتے ہوئے) اور قیام وقعود میں تکبیر کہتے تھے۔ کیا دیوبندی بھائی رکوع سے اوپر اٹھتے وقت اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے اللہ اکبر ہی کہتے ہیں یا دوسری احادیث کے مدنظر سمع اللہ لمن حمدہٗ کہتے ہیں؟ اگر اس عموم سے الرفع من الرکوع (رکوع سے سر اٹھانا) دوسری روایات کے ذریعے خاص ہو سکتا ہے کہ اس میں تکبیر نہیں کہی جاتی بلکہ سمع اللہ لمن حمدہٗ کہا جاتا ہے، تو جلسہ استراحت بھی ہماری ذکر کردہ صحیح احادیث کے ذریعے خاص ہو

سکتا ہے۔ اب آپ سوچیں گے کہ وہ کون سی حدیث ہے جس سے جلسہ استراحت میں تکبیر نہ کہنا ثابت ہے ۔۔۔ تو آیئے اس مضمون میں جامع ترمذی کی بار بار مذکور روایت پر غور فرمائیں۔ سیدنا ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ بڑے اہتمام سے تکبیرات کا ذکر کر رہے ہیں کہ رکوع جاتے وقت آپ ﷺ نے تکبیر کہی، رکوع سے سر اٹھاتے وقت سمع اللہ لمن حمدہٗ کہا، انہوں نے پہلے سجدہ میں جاتے، سر اٹھاتے، دوسرے سجدہ میں جاتے اور اس سے سر اٹھاتے ہوئے سب مقامات پر آپ ﷺ سے تکبیر نقل کی ہے۔ جلسہ استراحت کے بعد تکبیر نقل نہیں کی، بلکہ کہا کہ ثم نهض (پھر آپ اٹھ کھڑے ہوئے)، لہٰذا اسی حدیث سے جلسہ استراحت بھی خاص ہو گیا ہے۔ وللّٰہ الحمد والمنّة!

اهل قیاس اور مخالفت قیاس!

یہاں حافظ ابن حزم (م ۴۵٦ھ) کی ایک عبارت قابل ذکر ہے، وہ فرماتے ہیں:

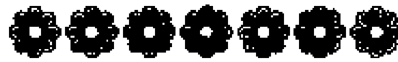
وهذا مما تركوا فيه السنة والقياس، وهم يدعون أنهم أصحاب قياس فهلا قالوا: كما لا يقوم إلى الركعة الثالثة إلا من قعود، فكذلك لا يقوم إلى الثانية والرابعة إلا من قعود، ولكنهم لا السنن يتبعون ولا القياس يحسنون.

"یہ (ترکِ جلسہ استراحت) ایسا مسئلہ ہے جس میں مقلدین نے حدیث اور قیاس دونوں کو چھوڑ دیا ہے، حالانکہ ان کا دعویٰ کہ وہ قیاس کو ماننے والے ہیں۔ انہوں نے قیاس کرتے ہوئے یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ جیسے نمازی تیسری رکعت کے لئے بغیر بیٹھنے کے کھڑا نہیں ہو سکتا اسی طرح اسے دوسری اور چوتھی رکعت کے لئے بھی بیٹھ کر اٹھنا چاہیے؟ لیکن یہ لوگ نہ احادیث کا اتباع کرتے ہیں نہ قیاس کا صحیح استعمال کرتے ہیں۔" (المحلی لابن حزم: ۴/۱۲۵)

الحاصل:

ہم نبی اکرم ﷺ کے فعل مبارک اور حکم مبارک سے جلسہ استراحت کا مسنون ہونا ثابت کر چکے ہیں۔ اس سنت سے روکنے والے لوگوں نے جو دلائل پیش کیے ہیں ان کا

مفصل تجزیہ بھی قارئین ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ فیصلہ انھی کے ہاتھوں میں ہے۔ ہماری گزارش صرف یہ ہے کہ قارئین چاہیں کسی بھی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے ہوں، اللہ کے لیے تعصب سے بالاتر ہو کر غیر جانبدار ہو کر اس تحریر کو پڑھیں اور پھر جسے سنتِ رسول اور صراطِ مستقیم خیال کریں، فوراً بغیر ہچکچاہٹ کے اسے اپنا لیں کیونکہ نجات اسی میں ہے۔



اہل رائے سے اہل حدیث ہونے کا سفر!

امام قتیبہ بن سعید رحمہ اللہ (۱۵۰۔۲۴۰ھ) فرماتے ہیں:

کنت في حداثتي أطلب الرأي ، فرأيت فيما يرى النائم أنّ مزادة دليت من السماء ، فرأيت الناس يتناولونها ، فلا ينالونها ، فجئت أنا ، فتناولتها ، فاطّلعت فيها ، فرأيت ما بين المشرق والمغرب ، فلمّا أصبحت جئت إلى مخضع البزّاز ، وكان بصيرا بعبارة الرؤيا ، فقصصت عليه رؤياي ، فقال : يا بنيّ ! عليك بالأثر ، فإنّ الرأي لا يبلغ المشرق والمغرب ، إنّما يبلغ الأثر ، قال : فتركت الرأي وأقبلت على الأثر . ”میں اپنی اوائل عمری میں رائے سیکھتا تھا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک مشکیزہ آسمان سے نیچے لٹکایا گیا، لوگ اسے پکڑنے لگے لیکن وہ اس کو نہ پکڑ سکے۔ میں آیا تو اس کو پکڑ لیا، اس میں جھانکا تو مشرق و مغرب کے درمیان سب کچھ دیکھ لیا۔ جب صبح ہوئی تو میں نے بزاز کے گھر گیا۔ وہ خوابوں کی تعبیر میں ماہر تھے۔ میں نے ان سے سامنے اپنا خواب بیان کیا تو وہ فرمانے لگے: بیٹے! حدیث کو لازم پکڑ کیونکہ رائے مشرق و مغرب تک نہیں پہنچ پاتی، صرف حدیث ہی پہنچتی ہے۔ اس پر میں نے رائے کو چھوڑا اور حدیث کی طرف متوجہ ہو گیا۔“

(تاریخ بغداد للخطیب: ۴۶۷/۱۲، وسندہٗ صحیحٌ)

حق مہر کی شرعی مقدار

محمدی سلفی

حق مہر کی کوئی مقدار مقرر نہیں۔ فریقین باہمی رضامندی سے جو طے کرلیں، وہ کم ہو یا زیادہ، درست اور جائز ہے۔ قرآن وحدیث اور سلف صالحین کے عمل سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حق مہر کی کوئی حد مقرر نہیں۔ خود نبی اکرم ﷺ نے اپنی بیویوں کے لیے پانچ سو درہم مہر مقرر فرمایا۔ (صحیح مسلم: ۱۴۲۶)

لونڈی کی آزادی کو بھی حق مہر بنایا جا سکتا ہے جیسا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

إنّه أعتق صفيّة وجعل عتقها صداقها. ''رسول اللہ ﷺ نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا اور ان کی آزادی کو ہی ان کا حق مہر بنا دیا۔''

(صحیح البخاری: ۵۰۸۶، صحیح مسلم: ۸۵/۱۳۶۵)

ثابت ہوا کہ کسی کام اور عمل کو بھی مہر بنایا جا سکتا ہے۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: خطب أبو طلحة أمّ سليم، فقالت: والله! ما مثلك يا أبا طلحة، يُرَدُّ، ولكنّك رجل كافر وأنا امرأة مسلمة، ولا يحلّ لي أن أتزوّجك، فإن تسلم فذاك مهري، وما أسألك غيره، فأسلم، فكان ذلك مهرها، قال ثابت: فما سمعت بامرأة قطّ كانت أكرم مهرا من أمّ سليم، الإسلام، فدخل بها، فولدت له. ''ابوطلحہ نے ام سلیم رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیغام دیا تو انہوں نے فرمایا: ابوطلحہ! آپ جیسے شخص کو ردّ نہیں کیا جاتا لیکن آپ کافر ہیں اور میں مسلمان عورت ہوں۔ میرے لیے آپ سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ اگر آپ مسلمان ہو جائیں تو یہی میرا حق مہر ہوگا، اس سے زائد میں کچھ نہیں مانگوں گی۔ ابوطلحہ مسلمان ہو گئے، یوں یہی (ان کا مسلمان ہونا) سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کا حق مہر بن گیا۔ ثابت کہتے ہیں: میں نے کسی

عورت کا اتنا قیمتی حق مہر نہیں سنا جتنا قیمتی حق مہر ام سلیم کا تھا، یعنی ان کو حق مہر میں اسلام ملا تھا۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے ان سے ازدواجی تعلقات قائم کر لیے تو سیدہ ام سلیم کے گھر بچہ پیدا ہوا۔" (سنن النسائی: ۳۳۴۳، وسندہٗ صحیح)

اس حدیث کو امام ابن حبان (۷۱۸۷) اور حافظ الضیاء المقدسی (المختارۃ: ۴۲۶) رحمہما اللہ نے "صحیح" کہا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو "صحیح" قرار دیا ہے۔

(فتح الباری لابن حجر: ۱۱۵/۹)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے حق مہر کے بارے میں فرمایا تھا:

التمس، لو خاتما من حدید. "تلاش کرو، اگرچہ لوہے کی کوئی انگوٹھی ہی مل جائے۔" (صحیح البخاری: ۵۱۲۱، صحیح مسلم: ۱۴۲۵)

اس کے علاوہ بھی مہر کی عدم تعیین پر کئی دلائل موجود ہیں۔ ان سب دلائل کے خلاف بعض الناس کا موقف ہے کہ کم از کم مہر دس درہم ہونا چاہیے۔ یہ بعض الناس بزعم خود اپنے اس موقف پر دلائل بھی رکھتے ہیں۔ ان کے مزعومہ دلائل کا علمی جائزہ پیشِ خدمت ہے:

دلیل نمبر ①: سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ولا مهر دون عشرة دراهم. "دس درہموں سے کم کوئی حق مہر نہیں۔" (سنن الدارقطنی: ۲۴۵/۳، ۲۰۹۴، مسند ابی یعلی الموصلی: ۲۰۹۴، الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی: ۲۴۱۸/۶، وفی نسخۃ: ۲۴۱۱/۶، السنن الکبری للبیہقی: ۱۳۳/۷)

تبصرہ: یہ جھوٹی روایت ہے، کیونکہ:

① اس کا راوی مبشر بن عبید بالاجماع "متروک" اور "کذاب" ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: أحاديثه أحاديث موضوعة، كذب. "اس کی بیان کردہ احادیث من گھڑت اور جھوٹی ہیں۔"

(العلل ومعرفۃ الرجال لاحمد بن حنبل: ۴۰۱/۱، ت: ۲۶۳۹)

علامہ جوزجانی فرماتے ہیں: **أحادیثہ بواطل.** ''مبشر بن عبید کی احادیث جھوٹی اور باطل ہیں۔'' (احوال الرجال للجوزجانی: ص ۱۷۰، ت: ۳۰۳)

امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **روی عن الثقات الموضوعات، لا یحلّ کتب حدیثہ إلّا تعجبا.** ''اس نے ثقہ راویوں سے من گھڑت اور جھوٹی روایات بیان کی ہیں۔ اس کی حدیث کو صرف تعجب کے طور پر لکھنا جائز ہے۔''

(المجروحین لابن حبان: ۳۰/۳)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے ''منکر الحدیث'' کہا ہے۔(التاریخ الکبیر للبخاری: ۱۷/۸، ت: ۱۹۶۰)

امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **متروک الحدیث، یضع الحدیث.**

''یہ متروک الحدیث راوی ہے۔ یہ حدیثیں خود گھڑ لیتا تھا۔'' (سنن الدارقطنی: ۲۳۷/٤)

نیز یہ روایت ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: **متروک الحدیث، أحادیثہ لا یتابع علیہ.** ''یہ متروک الحدیث راوی ہے۔ اس کی احادیث منکر ہیں۔''

(سنن الدارقطنی: ۲٤۵/۳)

اس روایت کے بارے میں امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إسنادہ باطل، کان لا یرویہ غیر مبشّر. ''اس کی سند من گھڑت ہے۔ اس حدیث کو سوائے مبشر بن عبید کے کوئی بیان نہیں کرتا۔'' (الکامل لابن عدی: ٤۱۸/۷)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی اسے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔(السنن الکبریٰ للبیہقی: ۱۳۳/۷)

علامہ زیلعی حنفی رحمہ اللہ بھی یہی کہتے ہیں۔(نصب الرایۃ للزیلعی: ۱۹٦/۳۔۱۹۹)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **إسنادہ واہ، فیہ مبشّر بن عبید، وھو کذّاب.**

''اس کی سند کمزور ہے۔ اس میں مبشر بن عبید راوی ہے جو کہ سخت جھوٹا ہے۔''

(الدرایۃ لابن حجر: ٦۲/۲)

② اس میں حجاج بن ارطاۃ راوی بھی موجود ہے جو جمہور محدثین کرام کے

نزدیک "ضعیف" اور "مدلس" ہے۔

ثابت ہوا کہ اس روایت کا دارومدار مبشر بن عبید جیسے "کذاب" اور حجاج بن ارطاۃ جیسے "ضعیف" راوی پر ہے۔ اس کے باوجود دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث، جناب انور شاہ کشمیری دیوبندی صاحب لکھتے ہیں: **وأمّا دليل الحنفيّة فأكثرنا يحتج بحديث الدارقطنيّ: ((لا مهر من أقلّ عشرة دراهم))، أقول: إنّ في جميع طرقه حجّاج بن أرطاة، وهو متكلّم فيه، وإنّي لا أتمسّك به، وإن حسّن الترمذيّ رواياته، بل صحّح أيضا في بعض المواقع.**

"رہی بات حنفیوں کی دلیل کی تو ہمارے اکثر اصحاب دارقطنی کی اس حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں کہ دس درہم سے کم کوئی حق مہر نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اس کی سب سندوں میں حجاج بن ارطاۃ راوی ہے جو کہ متکلم فیہ ہے۔ میں اس سے حجت نہیں پکڑتا اگرچہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کی روایات کو حسن بلکہ بعض مواقع پر صحیح بھی قرار دیا ہے۔"

(العرف الشذی للکشمیری: ۳۷۷/۲، تحت الحدیث: ۱۱۱۱)

شاہ صاحب کی دیانتِ علمی ملاحظہ فرمائیں کہ انہوں نے اس روایت کی سب سندوں میں موجود سخت جھوٹے راوی مبشر بن عبید کا ذکر تک نہیں کیا بلکہ یہ باور کرایا ہے کہ اس میں علت صرف حجاج بن ارطاۃ کی وجہ سے ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ احناف کا یہ مذہب کہ مہر کم از کم دس درہم ہونا ضروری ہے، دلائل سے بالکل عاری ہے۔ اللہ تعالیٰ دلائل کی دنیا میں کسی کو بے بس نہ کرے۔ یہ بڑی ذلت اور رسوائی کی بات ہے۔

تنبیہ بلیغ: جب مقلدین نے دیکھا کہ اس روایت کو ائمہ محدثین نے تار تار کر دیا ہے تو ابن ہمام حنفی نے امام ابن ابی حاتم کے حوالے سے ایک سند گھڑی اور اس کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی طرف منسوب کر دیا، نیز کہا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس سند کو

"حسن" کہا ہے۔ وہ سند ملاحظہ فرمائیں: قال الإمام ابن أبي حاتم : حدثنا عمرو بن عبد الله الأودي : حدثنا وكيع عن عبّاد بن منصور ، قال : حدثنا القاسم بن محمّد ، قال : سمعت جابرا رضي الله عنه يقول : قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم : ((ولا مهر أقلّ من عشرة))

(فتح القدير لابن الهمام الحنفي : ۱۸۶/۳، فصل في الكفاءة)

یہ محض یہودیانہ روش ہے جو ابن ہمام حنفی نے اختیار کی ہے۔ ان کو یہ معلوم نہیں کہ امت کے اندر اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسے افراد پیدا کیے ہیں جو ایسے جھوٹوں کا پیچھا کرتے رہتے ہیں اور مسلمانوں کو ان کی چالوں سے آگاہ کرتے رہتے ہیں۔ قیامت تک یہ سلسلہ جاری و ساری رہے گا۔

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ (۹۷۔۱۶۱ھ) نے کیا خوب فرمایا تھا:

لو همّ الرجل أن يكذب في الحديث ، وهو في جوف بيت ، لأظهر الله عليه . "اگر کوئی آدمی کسی گھر کے اندر گھس کر بھی حدیث میں جھوٹ بولنے کا ارادہ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے بھی ضرور ظاہر کر دے گا۔" (المجروحين لابن حبان : ۲۵/۱، وسندهٗ صحيحٌ)

امام عمرو الناقد رحمہ اللہ (م ۲۳۲ھ) فرماتے ہیں: دين محمّد صلّى الله عليه وسلّم لا يحتمل الدنس ، يعني الكذب . "محمد ﷺ کا دین جھوٹ کو کبھی برداشت نہیں کرے گا۔" (الكفاية في علم الرواية للخطيب البغدادي : ۳٦/۱، وسندهٗ صحيحٌ)

چنانچہ ابن ہمام حنفی کی اس کارستانی پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے شاگرد حافظ سخاوی رحمہ اللہ چیخ اٹھے اور کہا: وقد كان شخص نقل لي ذلك عن شيخنا ، فأنكرته ، فلمّا رأيت كلام ابن الهمّام حار فكري في ذلك ، وقد أمعنت في التفتيش عليه ، فلم ... "ایک شخص نے ہمارے شیخ (حافظ ابن حجر رحمہ اللہ) سے یہ بات میرے سامنے نقل کی۔ میں نے اس کا انکار کیا لیکن جب میں نے اس بارے میں ابن

ہمام حنفی کا کلام دیکھا تو میرا ذہن پریشان ہو گیا اور میں نے اس بارے میں گہری تفتیش کی، پھر مجھے (حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ کی مرویات میں) یہ روایت نہیں ملی۔"

(تنزیہ الشریعۃ للکنانی: ۲/۲۰۷، الاجوبۃ المرضیۃ للسخاوی: ۱/۵۹)

تقلید میں یہ بہت بڑی بُرائی ہے کہ یہ انسان کو تحریفِ دین پر آمادہ کر دیتی ہے، جھوٹ پر اطمینان دلاتی ہے اور سچائی سے دُور کر دیتی ہے۔

دلیل نمبر ②: سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لا صداق أقلّ من عشرۃ دراھم. "دس درہموں سے کم مقدار میں کوئی مہر نہیں۔" (سنن الدارقطنی: ۳/۲۰۰، السنن الکبریٰ للبیہقی: ۸/۲۶۱)

تبصرہ: اس کی سند سخت "ضعیف" ہے کیونکہ اس کا راوی داؤد بن یزید الاودی جمہور محدثین کرام کے نزدیک "ضعیف" ہے۔ اس کو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے "ضعیف الحدیث"، امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے "ضعیف" اور امام دارقطنی رحمہ اللہ نے "متروک" قرار دیا ہے۔ (سوالات البرقانی للدارقطنی: ۱۳۷)

علاوہ ازیں امام علی بن مدینی، امام ابوحاتم رازی، امام ابن حبان رحمہم اللہ وغیرہ نے بھی اسے مجروح قرار دیا ہے۔ امام عبد الرحمٰن بن مہدی اور امام یحییٰ بن سعید القطان رحمہما اللہ اس سے روایت ہی نہیں لیتے تھے۔ متاخرین میں سے حافظ ابن الجوزی، حافظ ہیثمی، حافظ ذہبی اور حافظ ابنِ حجر رحمہم اللہ نے بھی اسے "ضعیف" کہا ہے۔

البتہ امام ابنِ عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ولداوٗد الأودیّ أحادیث غیر ما ذکرت صالحۃ، ولم أر فی أحادیثہ منکرا یجاوز الحدّ إذا روی عن ثقۃ، وداوٗد وإن کان لیس بالقویّ فی الحدیث، فإنّہ یکتب حدیثہ، ویقبل إذا روی عن ثقۃ. "داؤد الاودی کی مذکورہ احادیث کے علاوہ بھی حسن احادیث ہیں۔ جب یہ ثقہ سے روایت کرتا ہے تو میں نے اس کی کوئی حدیث ایسی منکر نہیں دیکھی جو حد سے

تجاوز کرنے والی ہو۔ داؤد اگرچہ حدیث میں مضبوط نہیں لیکن اس کی حدیث لکھی جائے گی اور جب یہ ثقہ سے بیان کرے تو اسے قبول کیا جائے گا۔" (الکامل لابن عدی: ۸۱/۳)

امام ابنِ عدی رحمہ اللہ کا یہ قول جمہور کے خلاف ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اس قول کے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لقّن غياث بن إبراهيم (الكذّاب) داوٗد الأودیّ عن الشعبيّ عن عليّ : لا مهر أقلّ من عشرة دراهم ، فصار حديثا ... "غیاث بن ابراہیم (جو کہ سخت جھوٹا آدمی تھا) نے داؤد الاودی کو شعبی کے واسطے علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول تلقین کیا کہ دس درہم سے کم مقدار میں کوئی مہر نہیں، یہ قول ہی آہستہ آہستہ حدیث بن گیا۔" (سنن الدارقطنی: ۲۰۰/۳، السنن الکبریٰ للبیہقی: ۲۴۰/۷، ۲۴۱، وسندہٗ حسنٌ)

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رووا عن عليّ رضي الله عنه فيه شيئا لا يثبت مثله . "انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ایسی بات روایت کی ہے جو ثابت نہیں ہے۔"

(السنن الکبریٰ للبیہقی: ۲۴۰/۷، معرفۃ السنن والآثار للبیہقی: ۲۱۷/۸، وسندہٗ صحیحٌ، الأم للشافعی: ۶۰/۵)

ائمہ کرام کی تصریحات سے ثابت ہوا کہ یہ قول ثابت نہیں۔

دلیل نمبر ③ : سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

ولا يكون المهر أقلّ من عشرة دراهم . "دس درہم سے کم میں کوئی مہر نہیں۔" (سنن الدارقطنی: ۲۰۰/۳)

تبصرہ: اس کی سند سخت ترین "ضعیف" ہے کیونکہ:

① اس کے راوی جعفر بن محمد بن مروان القطان کے بارے میں امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ليس ممّن يحتجّ بحديثه . "یہ ان لوگوں میں سے نہیں جن کی حدیث سے حجت لی جاتی ہے۔" (سوالات الحاکم: ۷...)

نیز امام صاحب نے اسے "ضعیف" بھی قرار دیا ہے۔ (سنن الدارقطنی : ۲/۲٦٤)

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: هذا إسناد يجمع مجهولين وضعفاء .

"اس سند میں مجہول اور ضعیف راوی جمع ہیں۔" (السنن الکبریٰ للبیہقی : ۸/۳٦۱)

نیز امام بیہقی رحمہ اللہ اس سند کو "مظلم" یعنی سخت "ضعیف" قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

وهو ضعيف ، لا يحتج بمثله . "یہ راوی ضعیف ہے۔ ایسے راوی سے حجت نہیں لی جاسکتی۔" (السنن الکبریٰ للبیہقی : ۸/۳٦۱)

علامہ زیلعی حنفی کہتے ہیں: ليس بالمشهور بالعدالة ، وقد تكلّم فيه الدارقطنيّ ، وقال : لا يحتجّ به . "اس کی عدالت معروف نہ تھی۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اس پر جرح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس سے حجت نہیں پکڑی جاسکتی۔"

(نصب الرایۃ للزیلعی : ۱/۳٤۸)

② اس کے باپ محمد بن مروان القطان کے بارے میں امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شيخ من الشيعة ، حاطب ليل ، لا يكاد يحدّث عن ثقة ، متروك . "یہ شیعہ شیخ تھا، حاطب لیل (بغیر تحقیق و تنقیح کے ہر طرح کی روایات بیان کرنے والا) تھا۔ ثقہ راویوں سے کم ہی روایت کرتا تھا۔ متروک الحدیث راوی تھا۔"

(سوالات البرقانی : ٤٥۸)

③ اس کے مرکزی راوی جویبر بن سعید بلخی کو امام دارقطنی رحمہ اللہ نے "متروک" قرار دیا ہے۔ (کتاب الضعفاء والمتروکین للدارقطنی : ۱٤۷)

اس کو امام یحییٰ بن معین، امام ابوحاتم رازی، امام ابوزرعہ رازی، امام نسائی، امام ابن عدی اور جمہور محدثین کرام رحمہم اللہ نے بھی "ضعیف" اور "متروک" کہا ہے۔ کوئی متروک ہی اس جیسے متروک کی روایت سے حجت پکڑ سکتا ہے۔

④ امام دارقطنی رحمہ اللہ اس روایت میں موجود اپنے استاذ علی بن الحسن بن علی

الشیبانی کے بارے میں خود فرماتے ہیں: وكان يكذب . ''وہ جھوٹ بولتا تھا۔'' (سوالات الحاکم: ۲۵۲)

حسن بن محمد الخلال کہتے ہیں: ضعيف ، تكلموا فيه . ''یہ ضعیف راوی تھا۔ محدثین کرام نے اس پر جرح کی ہے۔'' (تاریخ بغداد للخطیب: ۱۱/۲۳۸)

اس کو صرف حافظ ابوعلی النیسابوری نے ''ثقہ'' کہا ہے۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے ان کا ردّ کر دیا ہے، لہٰذا یہ راوی بھی ''ضعیف'' ہے۔

⑤ اس کی سند میں اسماعیل بن الیسع راوی ''مجہول'' ہے۔

⑥ عاصم بن عمر نامی راوی کی تعیین و توثیق درکار ہے۔

ان وجوہات کی بنا پر یہ روایت باطل ہے۔

جناب تقی عثمانی دیوبندی صاحب کہتے ہیں: ''لیکن قرآن و حدیث کے پورے ذخیرے میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کے علاوہ کسی بھی حدیث میں مہر کی کوئی مقدار مروی نہیں۔'' (درس ترمذی از تقی: ۳/۳۹۲)

قارئین کرام نے حدیثِ جابر کا حال تو خوب معلوم کر لیا ہے۔ ثابت ہوا کہ مہر کی کم از کم مقدار دس درہم مقرر کرنا درست نہیں۔ حق مہر کی کوئی مقدار مقرر نہیں۔ اسی لیے مفتیٔ مکہ امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ اس آدمی کے متعلق فرماتے ہیں جو دس درہم حق مہر پر شادی کرتا ہے: قد كان المسلمون يتزوّجون على أقلّ من ذلك وأكثر .

''مسلمان (صحابہ و تابعین) اس سے کم اور زیادہ مقدار حق مہر پر شادیاں کیا کرتے تھے۔'' (مصنف ابن ابی شیبۃ: ۴/۱۸۷، وسندہٗ صحیحٌ)

صالح بن مسلم کہتے ہیں: قلت للشعبيّ : رجل تزوّج امرأة بدرهم ؟ قال : لا يصلح إلّا بثوب أو شيء . ''میں نے امام شعبی رحمہ اللہ سے کہا کہ اگر کوئی آدمی کسی عورت سے ایک درہم مہر کے بدلے شادی کرے تو؟ انہوں نے کہا: کسی بھی کپڑے یا

کسی بھی چیز کے بدلے شادی درست ہے۔" (مصنف ابن ابی شیبۃ: ۱۸۷/٤، وسندہٗ صحیح)

امام سفیان ثوری، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ کا یہی مذہب تھا کہ باہمی رضامندی سے فریقین جو بھی حق مہر مقرر کریں، اس پر نکاح جائز ہے۔

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ردّ السنّة الصحيحة الصريحة المحكمة في جواز النكاح بما قلّ من المهر ولو خاتما من حديد مع موافقتهما لعموم القرآن في قوله: ﴿أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُم﴾ وللقياس في جواز التراضي بالمعاوضة على القليل والكثير، بأثر لا يثبت وقياس من أفسد القياس على قطع يد السارق، وأين النكاح من اللصوصيّة؟ وأين استباحة الفرج من قطع اليد في السرقة؟ وقد تقدّم مرارا أنّ أصحّ الناس قياسا أهل الحديث، وكلّما كان الرجل إلى الحديث أقرب كان قياسه أصحّ، وكلّما كان من الحديث أبعد كان قياسه أفسد. "فریقین راضی ہوں تو تھوڑے حق مہر خواہ وہ لوہے کی ایک انگوٹھی ہو، پر نکاح کے جواز کی صحیح، صریح اور محکم سنت کو ایک غیر ثابت اثر اور فاسد ترین قیاس کی وجہ سے ردّ کر دیا گیا ہے۔ قرآن کریم نے عمومی طور پر یہ فرمایا ہے کہ ﴿أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُم﴾ (تمہارے لیے اپنے مالوں کے بدلے میں نکاح کرنا جائز ہے)، نیز فریقین کی رضامندی کی صورت میں تھوڑے یا زیادہ مال کے بدلے خرید و فروخت پر قیاس بھی اسی بات کا متقاضی ہے۔ (احناف نے حق مہر کو قطع ید پر قیاس کیا ہے) حالانکہ کہاں نکاح اور کہاں چوری؟ کہاں شرمگاہ کی حلت اور کہاں چوری میں ہاتھ کاٹنا؟ کئی بار یہ بات ذکر کی جا چکی ہے کہ سب سے بہترین قیاس اہل حدیث ہی کرتے ہیں کیونکہ جتنا کوئی شخص حدیث کے قریب ہو گا اتنا ہی اس کا قیاس زیادہ صحیح ہو گا اور جتنا کوئی شخص حدیث سے دور ہو گا اتنا ہی اس کا قیاس فاسد ہو گا۔" (اعلام الموقعین عن رب العالمین لابن القیم: ۳۳۰/۲)

یاد رہے کہ کم از کم دس درہم کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کے متعلق کوئی حدیث ثابت نہیں،

لہٰذا اس پر قیاس کر کے کم از کم حق مہر دس درہم مقرر کرنا نری جہالت ہے!

بعض الناس کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَقَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ﴾ (الاحزاب: ۵۰)

"اور ہم نے ظاہر کر دیا ہے جو ہم نے ان پر ان کی بیویوں کے بارے میں فرض کیا ہے"

اس میں لفظ فرض اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مہر کی مقدار شرعاً مقرر ہے۔ اس لیے کہ فرض کے معنیٰ مقرر کرنے کے آتے ہیں۔ (درس ترمذی از تقی: ۳۹۲/۳)

اس آیتِ کریمہ میں مہر کی بات کہاں سے آ گئی۔ یہ تخصیص بلا دلیل ہے۔ قرآن و حدیث میں مہر کی کم از کم مقدار مقرر نہیں۔ آیتِ کریمہ میں حقوق و واجبات، نان ونفقہ، حسن سلوک اور حسن معاشرت کی بات ہو رہی ہے۔ یا زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ بیک وقت بیویوں کی تعداد مقرر کر دی گئی ہے کہ ایک وقت میں زیادہ سے زیادہ چار بیویاں رکھی جا سکتی ہیں یا عورتوں سے نکاح ان کے ولی کی اجازت کے ساتھ کرنا فرض و مقرر کیا گیا ہے وغیرہ۔ اگر مہر بھی ان چیزوں میں شامل کر لیا جائے تو یہ آیتِ کریمہ مجمل ہے۔ حدیثِ جابر جو موضوع و من گھڑت ہے، وہ اس کے لیے بیان کی حیثیت نہیں رکھتی۔ کوئی مسلمان بھی یہ نہیں کہتا کہ قرآنِ کریم کے اجمال کی تفصیل من گھڑت اور جھوٹی روایات سے کی جائے۔ قرآنِ کریم نے مہر تو مقرر کر دیا ہے لیکن کم از کم یا زیادہ سے زیادہ مقدار مقرر نہیں کی۔ احادیث بھی عموم پر دلالت کرتی ہیں۔ جمہور سلف صالحین کے عمل سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ مہر کی کم از کم مقدار مقرر نہیں جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

علامہ عبدالحیّ لکھنوی حنفی لکھتے ہیں: "بعض اصولیوں نے ذکر کیا ہے کہ آیتِ کریمہ میں حق مہر کو مجمل طور پر اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے اور خبر واحد میں اس اجمال کا بیان اور تفصیل ہے۔ لیکن یہ بات مخدوش ہے کیونکہ یہاں 'ما' موصولہ سے مہر مراد نہیں جیسا کہ اس کے بعد وما ملكت أيمانهم کے ازواج پر عطف سے معلوم ہوتا ہے اور فرض

کے معنی حقیقۃً یہاں ایجاب و وجوب کے ہیں، مقرر کرنے کے نہیں۔ اور اس سے عورتوں کا نان ونفقہ اور دیگر حقوق مراد ہیں جیسا کہ مفسرین کرام نے کہا ہے۔ تاویلات کا دروازہ تو بڑا وسیع ہے، اسے کھولنا مناسب نہیں، بلکہ سلامتی اسی میں ہے کہ تاویلات کا دروازہ بند کر دیا جائے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہمارے حضرات نے کم سے کم حق مہر کی مقدار دس درہم مقرر کرنے کی کوئی شافی دلیل پیش نہیں کی، لہٰذا قرآن پاک کے مطلق حکم پر ہی عمل واجب ہے۔ یہ قول اگرچہ حنفیہ کے مخالف ہے لیکن قولِ فیصل یہی ہے۔" (ظفر الامانی: ص ۱۷۲۔۱۷٤)

نیز لکھتے ہیں: "اوّلاً دس درہم کی تعیین کے بارے میں جتنی روایات ہیں، وہ تمام ضعیف اور ناقابل استدلال ہیں اور علامہ عینی نے جو یہ کہا ہے کہ یہ تمام احادیث کثرت طرق کی بنا پر درجہ حسن تک پہنچ جاتی ہیں، وہ قطعاً صحیح نہیں کیونکہ ان میں ضعف شدید ہے اور کوئی سند بھی کذاب اور متہم بالکذب جیسے راوی سے خالی نہیں۔ ثانیاً بہت سی صحیح احادیث ان کے خلاف ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دس درہم سے کم بھی حق مہر جائز ہے۔ ثالثاً یہ احادیث قرآن مجید کے مطلقاً حکم کے بھی خلاف ہیں اور ان کے نزدیک قرآن کی تخصیص صحیح خبر واحد سے بھی جائز نہیں چہ جائیکہ ضعیف خبر واحد سے تخصیص کی جائے۔"

(عمدۃ الرعایۃ از لکھنوی: ۳۳/۲)

علامہ عبد الحیٔ لکھنوی حنفی کی یہ عبارات فضیلۃ الشیخ ارشاد الحق اثری ﷾ کی تالیف "مسلک احناف اور مولانا عبد الحیٔ لکھنوی ؒ" سے نقل کی گئی ہیں۔

تنبیہ: حدیث جابر کی ایک ہی سند ہے جس کا مرکزی راوی مبشر بن عبید بالاتفاق "متروک" ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ یہ روایت کثرتِ طرق کی بنا پر درجہ حسن کو پہنچ جاتی ہے، بہت ہی عجیب و غریب بات ہے!

الحاصل: حق مہر کی کم از کم مقرر نہیں۔ باہمی رضامندی سے جو بھی چیز حق مہر میں مقرر کر لی جائے، اس کے بدلے نکاح درست اور جائز ہے۔

حق مہر کی شرعی مقدار

محمدی سلفی

جناب سرفراز خان صفدر حیاتی دیوبندی صاحب نے امام ابوحنیفہ کی شان میں "مقام ابی حنیفہ" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ اس پوری کتاب میں صفدر صاحب کسی ایک ثقہ امام سے باسند صحیح امام ابوحنیفہ کی فقاہت تو ثابت نہیں کر سکے، البتہ انہوں نے اس کتاب میں "حضرت امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب کی تائید میں خواب" نامی ایک باب بھی قائم کیا ہے۔ اس باب میں انہوں نے چھ خواب بیان کیے ہیں۔ ان خوابوں کا علمی اور تحقیقی جائزہ پیش خدمت ہے:

خواب نمبر ① : ہشام بن مہران نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ نے خواب دیکھا جس میں انہوں نے یہ دیکھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کو کرید رہے ہیں۔ انہوں نے ایک قاصد حضرت محمد بن سیرین کے پاس اس کی تعبیر پوچھنے کے لیے بھیجا۔ انہوں نے فرمایا کہ صاحب خواب کون ہے؟ قاصد نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر دوبارہ انہوں نے دریافت کیا مگر وہ خاموش رہا۔ تیسری مرتبہ سوال کیا اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ صاحب هذه الرؤيا يثير علما لم يسبقه إليه أحد قبله ، قال هشام : فنظر أبو حنيفة وتكلم . "یہ خواب دیکھنے والا ایسے علم کی نشر و اشاعت کرے گا جس کو اس سے پہلے کسی نے نشر نہیں کیا ہوگا۔ ہشام فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے نظر و فکر کے بعد اس میں لب کشائی کی۔" (تاریخ بغداد للخطیب : ۳۳۵/۱۳)

تبصرہ : اس کی سند "ضعیف" ہے کیونکہ:

① راویٔ خواب ہشام بن مہران کے حالاتِ زندگی معلوم نہیں ہو سکے۔

② محمد بن عبداللہ بن سالم کی توثیق بھی درکار ہے۔

اس بے ثبوت خواب سے جناب سرفراز خان صفدر صاحب فقہ حنفی کی شان و مقام پر استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اس سے معلوم ہوا کہ فقہ حنفی جس کی بنیاد حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے رکھی ہے، اس کا اصل ماخذ و ملتجیٰ جناب رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے جس کو امام موصوف رحمہ اللہ نے خداداد بصیرت اور ناخنِ تدبیر سے قرآن و حدیث سے کرید کرید کر نکالا ہے اور اپنے اجتہاد و استنباط سے اس کو چار چاند لگائے ہیں جو چاردانگِ عالم میں چمک اور پھیل کر لوگوں کے لیے رشد و ہدایت کا ذریعہ بنا ہے۔"

(مقام ابی حنیفہ از صفدر : ص ۱۵٤)

امام ابوحنیفہ سے قرآن مجید کی کسی آیت کی بھی تفسیر باسند صحیح ثابت نہیں۔ مدعی پر دلیل لازم ہے۔ رہے اجتہاد و استنباط تو محمد بن حسن شیبانی جیسے "کذاب"، ابو یوسف جیسے "ضعیف عند الجمہور" اور حسن بن زیاد لولوی جیسے "متروک" راویوں کی بیان کردہ باتوں کا کوئی اعتبار نہیں۔ امام صاحب سے "کتاب الحیل" کے سوا کوئی ایک بھی کتاب ثابت نہیں۔ فقہ حنفی کی کتب میں موجود مسائل سے امام ابوحنیفہ بری ہیں۔ یہ محض ان کی طرف منسوب کیے گئے ہیں۔

ہمارا سوال ہے کہ حنفیوں کے ہاں امام ابوحنیفہ کا اتنا مقام و مرتبہ ہے تو پھر ان کا عقیدہ کیوں چھوڑ دیا گیا ہے؟ عقیدے میں اپنے آپ کو اشعری اور ماتریدی کیوں کہلایا جا رہا ہے۔ عقیدے میں اپنے آپ کو حنفی کہنے سے شرم کیوں محسوس کی جا رہی ہے؟ کیا امام ابوحنیفہ کا عقیدہ ٹھیک نہیں تھا؟ اس طرزِ عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ یار لوگوں کے نزدیک بھی "دال میں کچھ کالا کالا" ضرور ہے۔

دین کا وہ کون سا عقدہ ہے جو پہلے علمائے امت سے حل نہ ہوا تھا اور فقہ حنفی نے اسے

حل کیا ہے؟ شرمناک اور گندے اجتہادی مسائل سے فقہ حنفی کی کتب بھری پڑی ہیں۔ قدوری، ہدایہ، فتاویٰ شامی، فتاویٰ قاضی خان اور فتاویٰ عالمگیری میں سے فقہ حنفی کی کوئی بھی کتاب اٹھالیں، باحیا شخص کا سر شرم سے جھکنے لگے گا۔

کیا کتب احادیث میں ایک مسلمان کی روزمرہ زندگی میں پیش آنے والے مسائل کا حل موجود نہیں؟ مسلمانوں کے گھروں میں مترجم کتب احادیث موجود ہیں اور وہ ان کا مطالعہ بھی کرتے ہیں۔ کیا کسی حنفی کو جرأت ہے کہ وہ اپنی مذکورہ کتب فقہ میں سے کسی کتاب کا ترجمہ کر کے شائع کرے اور اسے مطالعہ کے لیے لوگوں میں تقسیم کرے یا اپنے گھر کی خواتین کی دینی تربیت کے لیے ان کو یہ کتب بالاستیعاب پڑھائے؟ لہٰذا فقہ حنفی کے اجتہادی مسائل کا اصل ماخذ و منبع رسول اکرم ﷺ کی ذات کو قرار دینا نبیٔ اکرم ﷺ کی بہت بڑی توہین ہے۔

خواب نمبر ②: امام صدر الائمہ کی اپنی سند کے ساتھ مسدد بن عبدالرحمٰن البصری سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں رکن اور مقام (حجر اسود اور مقام ابراہیم) کے درمیان سو گیا۔ خواب میں میرے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا: تو اس جگہ سوتا ہے؟ یہ تو وہ مقام ہے جس میں جو دعا بھی اللہ تعالیٰ سے کی جائے، اس کی قبولیت میں کوئی حجاب واقع نہیں ہوتا۔ چنانچہ میں اپنی نیند سے بیدار ہوا اور جلدی سے مسلمانوں اور مؤمنوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے پوری توجہ اور دل جمعی کے ساتھ دعا کرنے لگا۔ اسی اثنا میں مجھ پر پھر نیند کا غلبہ ہوا اور میں سو گیا۔ میں نے خواب میں جناب رسول ﷺ کو دیکھا کہ آپ بالکل میرے قریب ہیں۔ میں نے کہا: یارسول اللہ! آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو کوفہ میں رہتا ہے اور اس کا نام نعمان ہے؟ کیا میں اس سے علم حاصل کروں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں اس سے علم لے اور اس پر عمل کر، وہ تو اچھا آدمی

ہے۔ میں اپنی نیند سے بیدار ہی ہوا تھا کہ صبح کی نماز کے لیے صدا بلند کرنے والے نے آواز بلند کی اور میں بخدا نعمان بن ثابت کو سب لوگوں سے برا سمجھتا تھا لیکن اب میں اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہوں کہ یہ کوتاہی مجھ سے سرزد ہوئی۔" (مناقب الامام ابی حنیفۃ: جلد ۲، ص ۲۰۵)

تبصرہ: یہ ناقابلِ اعتماد کتاب ہے۔ اس کے مؤلف ابو المؤید موفق بن احمد المکی الخوارزمی (م ۵۶۸ھ) کی توثیق ثابت نہیں۔ یہ معتزلی اور رافضی شخص تھا۔ اس وجہ سے اس کتاب کا کوئی اعتبار نہیں۔ نیز اس خواب کے راوی مسدد بن عبدالرحمٰن البصری کی توثیق بھی نہیں مل سکی۔

خواب نمبر ③: ازہر بن کیسان فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول ﷺ کو دیکھا اور آپ کے پیچھے پیچھے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما تھے۔ میں نے ان دونوں بزرگوں سے دریافت کیا کہ کیا میں آپ سے کچھ پوچھ سکتا ہوں؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں سوال کرو مگر بلند آواز سے نہ کرنا چنانچہ میں نے آپ سے امام ابوحنیفہ کے علم کے بارے میں سوال کیا کیونکہ مجھے ان سے کوئی حسن ظنی نہ تھی تو آپ نے فرمایا کہ یہ علم تو خضر علیہ السلام کے علم سے (جو علم لدنی تھا) پھوٹ کر نکلا ہے۔ (الخیرات الحسان: ص ٦٤)

تبصرہ: یہ بے سروپا حکایت بے سند ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

خواب نمبر ④: ابو معافی الفضل بن خالد فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں آنحضرت ﷺ کو دیکھا۔ میں نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! آپ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علم کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ ایسا علم ہے جس کے لوگ محتاج ہیں۔ (الخیرات الحسان: ص ٦٥)

تبصرہ: یہ بے سند و بے ثبوت خواب ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں۔ جناب

سرفراز خان صفدر صاحب لکھتے ہیں: ''اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے استدلال میں ان کے اثر کی کوئی سند نقل نہیں کی اور بے سند بات حجت نہیں ہو سکتی۔''

(احسن الکلام: ۱/۳۲۷، دوسرا نسخہ: ۱/۴۰۳)

ہمارا سوال ہے کہ یہاں بے سند خواب حجت کیوں؟

خواب نمبر ⑤ : العلاء بن صاعد بن مخلد فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں جناب رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ایک جگہ تشریف فرما ہیں۔ اتنے میں ابوالعباس احمد بن محمد بن عیسیٰ البرتی القاضی (المتوفی: ۲۸۰ھ) تشریف لے آئے۔ آنحضرت ﷺ ان کے لیے اٹھے اور ان سے معانقہ کیا اور ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور فرمایا: مرحبا اس شخص کو جو سنت اور حدیث پر عمل کرتا ہے۔

(تاریخ بغداد للخطیب البغدادی: ۵/۶۲)

تبصرہ : یہ جھوٹ کا پلندا ہے۔ اس خواب کو بیان کرنے والا محمد بن عثمان بن الحسن بن عبداللہ الصیبی ''کذاب'' ہے۔

ابوالقاسم الازہری کہتے ہیں: کذاب . ''یہ سخت جھوٹا آدمی ہے۔''

(تاریخ بغداد للخطیب: ۳/۴۲)

حمزہ بن محمد بن طاہر الدقاق کہتے ہیں: فروی للشیعۃ مناکیر ، ووضع لھم ایضا احادیث . ''اس شخص نے شیعہ کے حق میں منکر روایات بیان کی ہیں، نیز اس نے شیعہ کے لیے کئی احادیث خود بھی گھڑی ہیں۔'' (تاریخ بغداد: ۳/۴۲)

خواب نمبر ⑥ : محمویہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن الحسن کو خواب میں دیکھا۔ میں نے کہا: آپ پر کیا گزری؟ فرمانے لگے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے تجھے علم کا ظرف اس لیے تو نہیں بنایا کہ تجھے سزا دوں۔ میں نے

کہا: تو ابو یوسف پر کیا گزری؟ انہوں نے فرمایا کہ وہ مجھ سے بھی اوپر ہیں تو میں نے کہا: ابو حنیفہ پر کیا گزری؟ انہوں نے فرمایا کہ وہ تو ابو یوسف سے بھی کئی درجات بلند ہیں۔

(تاریخ بغداد للخطیب البغدادی : ۲/۲۸۲)

تبصرہ : اس کی سند "ضعیف" ہے۔ اس میں محمد بن ابی رجاء القاضی راوی موجود ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

لا أعرفه . "میں اسے جانتا پہچانتا نہیں۔" (تاریخ الاسلام : ۱۴/۳۵۱۔۳۵۲)

اسی طرح محمویہ کا تعین اور توثیق بھی درکار ہے۔

یہ وہ خواب تھے جو جناب سرفراز خان صفدر دیوبندی صاحب نے امام ابو حنیفہ کی فضیلت و منقبت اور فقہ حنفی کی برتری ثابت کرنے کے لیے پیش کیے تھے۔ ان کی حیثیت و کیفیت آپ بخوبی معلوم کر چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں جھوٹے خوابوں کے بجائے حقائق کا پیرو بنائے!

سچا خواب : امام ابو حنیفہ کے بارے میں ایک صحیح سند والا سچا خواب ملاحظہ ہو: بشر بن ابی الازہر النیسابوری (م ۲۱۳ھ) بیان کرتے ہیں:

رأيت في المنام جنازة عليها ثوب أسود ، وحولها قسيسين ، فقلت : جنازة من هذه؟ فقالوا : جنازة أبي حنيفة ، فحدثت به أبا يوسف ، فقال : لا تحدث به أحدا .

"میں نے خواب میں ایک جنازہ دیکھا جس پر ایک سیاہ کپڑا تھا اور اس کے ارد گرد کئی نصاریٰ راہب تھے۔ میں نے یہ خواب ابو یوسف سے بیان کیا تو اس نے کہا: یہ خواب کسی سے بیان نہ کرنا۔" (تاریخ بغداد للخطیب : ۱۳/۴۰۳، وسندہٗ صحیحٌ)



موسیٰ بن ہارون الحمال

ابو سعید سلفی

الامام، الحافظ الکبیر، الحجہ، الناقد، محدث العراق، موسیٰ بن ہارون بن عبد اللہ، ابوعمران البزار بن الحمال رحمہ اللہ جرح و تعدیل میں ایک معتبر نام ہے۔ حفظ حدیث میں اپنے وقت کے امام تھے۔

ولادت باسعادت : آپ رحمہ اللہ کی ولادت باسعادت ۲۱۴ھ کو ہوئی۔

اساتذہ کرام : آپ رحمہ اللہ نے اپنے والد ہارون بن عبد اللہ اور دیگر جلیل القدر ائمہ مثلاً: علی بن الجعد، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، یحییٰ بن معین، ہارون بن معروف، محمد بن جعفر الورکانی وغیرہم سے علم حاصل کیا۔

تلامذہ : آپ کے شاگردوں میں امام طبرانی، امام ابوبکر الشافعی، ابوسہل بن زیاد، جعفر الخلدی، دعلج بن احمد، علی بن ہارون السمسار اور خلق کثیر شامل ہیں۔

توثیق و توصیف : امام موسیٰ بن ہارون الحمال بالاتفاق ثقہ ہیں۔ ائمہ کرام کی ایک جماعت نے آپ کی توثیق و توصیف کی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

① امام ابوبکر احمد بن اسحاق الصبغی النیسابوری رحمہ اللہ (۲۵۸۔۳۴۲ھ) فرماتے ہیں:

ما رأينا في حفاظ الحديث ولا أورع من موسى بن هارون، كان إذا قعد اسماعيل بن إسحاق القاضي في مجلسه لا يحدث حتى يحضر موسى بن هارون.

"ہم نے حفظ حدیث اور تقویٰ و پرہیزگاری میں موسیٰ بن ہارون جیسا کوئی شخص نہیں دیکھا۔ جب امام اسماعیل بن اسحاق القاضی اپنی مجلس میں بیٹھتے تو جب

تک موسیٰ بن ہارون نہ آجاتے، حدیث بیان کرنا شروع ہی نہ کرتے تھے۔"

(تاریخ بغداد للخطیب: ۵۱/۱۳، وسندہٗ صحیحٌ)

② امام ابوالحسن احمد بن جعفر ابن المنادی رحمہ اللہ (۲۵۶۔۳۳۶ھ) فرماتے ہیں:

كان أحد المشهورين بالحفظ والثقة ومعرفة الرجال .

"آپ رحمہ اللہ حافظے، ثقاہت اور رجال کی معرفت میں مشہور لوگوں میں سے ایک تھے۔" (تاریخ بغداد للخطیب: ۵۱/۱۳، وسندہٗ صحیحٌ)

③ حافظ ابو محمد عبدالغنی بن سعید الازدی رحمہ اللہ (۳۳۲۔۴۰۹ھ) فرماتے ہیں:

أحسن الناس كلاما على حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاثة : علىّ ابن المديني في وقته ، وموسى بن هارون في وقته ، وعلىّ بن عمر الدارقطنيّ في وقته .

"تین شخص اپنے اپنے دور میں حدیث کے بارے میں سب سے عمدہ بیان والے تھے: امام علی بن مدینی، امام موسیٰ بن ہارون الحمال اور امام علی بن عمر دارقطنی رحمہم اللہ۔" (تاریخ بغداد للخطیب: ۵۱/۱۳، وسندہٗ صحیحٌ)

④ امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ثقة إمام . "آپ رحمہ اللہ ثقہ امام ہیں۔" (سوالات الحاکم للدارقطنی: ۲۳۱)

نیز فرماتے ہیں: أوثق وأثبت ، ولا يدلّس ، ولم ينكر عليه شيء .

"آپ بڑے درجے کے ثقہ وثبت شخص تھے، تدلیس نہیں کرتے تھے نہ ان کی کسی حدیث پر ائمہ کرام نے کوئی اعتراض کیا ہے۔" (سوالات السہمی للدارقطنی: ۲۵۱، ۳۸۸)

⑤ حافظ خلیلی رحمہ اللہ نے بھی آپ رحمہ اللہ کو ثقہ قرار دیا ہے۔

(الارشاد فی معرفۃ علماء الحدیث للخلیلی: ۶۰۰/۲)

⑥ امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وكان ثقة عالما حافظا .

"آپ رحمہ اللہ ثقہ، عالم اور حافظ تھے۔" (تاریخ بغداد: ۵۰/۱۳)

⑦ حافظ ذہبی رحمہ اللہ آپ کا تذکرہ یوں فرماتے ہیں:

الحافظ الإمام الحجّة ، أبو عمران ، ابن المحدّث أبي موسى الحمّال البغدادىّ البزّار ، محدّث العراق ... جمع وصنّف .

"حافظ ، امام ، حجت ، ابوعمران۔ آپ محدث ابوموسیٰ الحمال البغدادی البزار کے صاحبزادے تھے۔ آپ عراق کے محدث تھے۔۔۔آپ رحمہ اللہ نے احادیث جمع کیں اور تصانیف کیں۔" (تذکرۃ الحفاظ للذہبی : ۶۶۹/۲)

⑧ حافظ ابنِ حجر العسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ثقة ، حافظ كبير .

"آپ رحمہ اللہ ثقہ اور بہت بڑے حافظ تھے۔" (تقریب التہذیب لابن حجر : ۷۰۲۲)

آپ رحمہ اللہ کا شمار ائمہ جرح وتعدیل میں ہوتا ہے۔ امام ابنِ عدی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

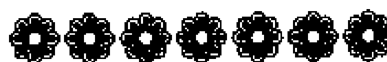
كان عالما بعالي الحديث ، متوقيا ، ولم يحدّث إلّا عن ثقة .

"آپ عالی حدیث کے عالم تھے۔ بہت محتاط تھے، صرف ثقہ سے حدیث بیان کرتے تھے۔" (الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی : ۱۴۶/۱)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ذکر من یعتمد قولہ فی الجرح والتعدیل (ان لوگوں کا تذکرہ جن کی بات جرح وتعدیل میں معتبر ہوتی ہے) میں آپ کا تذکرہ کیا ہے، یعنی آپ رحمہ اللہ جرح وتعدیل کے ایک معتبر امام تھے۔

تصانیف : آپ رحمہ اللہ کی تصانیف مخطوطات کی صورت میں موجود ہیں۔

وفات : احمد بن عیسیٰ بن الہیثم التمار کہتے ہیں کہ آپ رحمہ اللہ کی وفات ۲۹۴ھ میں ہوئی۔ آپ پر امام فریابی، امام ابن ابی شیبہ اور آپ کے بھانجے نے تین مختلف جگہوں میں نماز جنازہ ادا کی۔ (تاریخ بغداد للخطیب : ۵۱/۱۳، وسندہٗ حسنٌ)



Monthly ZARB-E-HAQ Sargodha

اغراض و مقاصد

قرآن وحدیث، اجماعِ امت اور اجتہادِ شرعی کی ترویج واشاعت

صحیح احادیث کا پرچار اور ضعیف سے قطعی اجتناب

عقیدۂ توحید (توحیدِ الوہیت، توحیدِ ربوبیت اور توحید الاسماء والصفات) کا محدثین

کے منہج کے مطابق احیاء وترویج

باطل اور گمراہ فرقوں کا مدلل ومبرہن ردّ

صحابہ کرام اور محدثین وائمہ دین کے ساتھ محبت کی رغبت

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد کی طرح مثالی اور اسلامی معاشرہ کا قیام

جیسا کہ

امام عبدالرحمٰن بن عمرو الاوزاعی رحمہ اللہ (م ۱۵۷ھ) فرماتے ہیں:

علیک بآثار من السّلف وإن رفضک النّاس ، وإیّاک ورأی الرّجال وإن زخرفوہ بالقول ، فإنّ الأمر ینجلی وأنت علی طریق مستقیم .

''تو سلف (محدثین) کے آثار کو لازم پکڑ، اگرچہ تجھے لوگ چھوڑ دیں، تو (بدعتی) لوگوں کی آراء سے بچ، اگرچہ وہ ان کو باتوں کے ساتھ مزین کریں، کیونکہ بلاشبہ معاملہ صاف ہے اور تو صراطِ مستقیم پر ہے۔'' (شرف اصحاب الحدیث للخطیب : ٦، الشریعة للآجری : ١٢٧، وسندہٗ صحیحٌ)

قارئین کرام! ماہنامہ ''ضربِ حق'' آپ کا اپنا مجلّہ ہے۔ اس کی سلسلہ وار اور بخوبی اشاعت کے لیے دامے، درمے، سخنے، قدمے، قلمے تعاون فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔